اگست ۱۹۹۵ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں

چند گزارشات

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر انگیز خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کا
ایک بہترین موقع!

اعلان داخلہ برائے ایف اے کلاس

قرآن کالج لاہور

- ایف اے (سال اول) کے لئے داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۸/ اگست ۹۵ء ہے۔
- انٹرویو ۹/ اگست کو ہو گا' ان شاء اللہ۔ ہر درخواست گزار کو انٹرویو کے لئے آنا ہو گا۔
- میٹرک کے نتائج کے منتظر طلبہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔
- بیرون لاہور سے متعلق طلبہ کے لئے ایک محدود پیمانے پر ہاسٹل کی سہولت موجود ہے۔

داخلے کے خواہش مند طلبہ۔/ ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر
تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں!

المعلن : پرنسپل قرآن کالج لاہور
۱۹۱۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' فون : 8۔5833637

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ
میثاق
لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۴۴
شمارہ:	۸
ربیع الاول	۱۴۱۶ھ
اگست	۱۹۹۵ء
فی شمارہ	-/۷
سالانہ زرتعاون	-/۷۰

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۵۸۶۹۵۰۲

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

طاہر نیوز پیپر اسٹینڈ بک سٹ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۷

پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں چند گزارشات

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ مقالات ——— ۳۸

ذکر الٰہی اور اشغال کی چند حکمتیں

مولانا افتخار احمد بلخی

☆ الہدیٰ (قسط : ۶۳) ——— ۴۹

ام المسبحات : سورۃ الحدید (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ دعوت و تحریک ——— ۵۶

انفرادی دعوت

☆ مذاکرہ ——— ۶۷

ملکی سالمیت اور کراچی کا مسئلہ

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام سیمینار کی روداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

گزشتہ شمارے کے انہی صفحات میں اس امر پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا کہ کراچی کے حالات کی سنگینی خطرے کے آخری نشان کو چھو رہی ہے لیکن مسئلے کے سیاسی حل اور حکومت اور ایم کیو ایم میں باہم مذاکرات کی کوئی صورت نہیں بن نہیں پا رہی۔ شہر کراچی میں روزانہ پچیس تیس جانیں خون میں نہا جاتی ہیں' زخمی ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے' لیکن دونوں میں سے کوئی ایک فریق بھی اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے اور مذاکرات کے لئے میدان ہموار کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس صورت حال میں بحمد اللہ بہتری پیدا ہوئی ہے۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ ۱۱ جولائی سے دو طرفہ مذاکرات کا آغاز ہو گیا ہے۔

تادم تحریر مذاکرات کے چار راؤنڈ مکمل ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ پہلا راؤنڈ تو تمہیدی نوعیت کا تھا لیکن دوسرے راؤنڈ کا اختتام نہایت مایوس کن تھا اور ایم کیو ایم کے اٹھارہ نکات کے نملے پر حکومتی پارٹی نے اکیس نکات کا دہلا مار کر ان مذاکرات کی ناکامی پر گویا مہر ثبت کر دی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ تیسرے راؤنڈ کی نوبت اب نہیں آئے گی۔ لیکن پھر ایم کیو ایم کی مذاکراتی ٹیم کے اس بیان نے کہ ہم بہر طور مذاکرات کو جاری رکھنا چاہتے ہیں اور اس کی ناکامی کا الزام اپنے سر نہیں لینے چاہتے' فضا کو از سر نو ساز گار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت بھی عوامی دباؤ کے پیش نظر مذاکرات کی ناکامی کا الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہے' گو بعض حکومتی نمائندے ایم کیو ایم کے بارے میں غیر محتاط زبان بھی استعمال کر رہے ہیں۔ اسی طرح مذاکرات کے دوران اپوزیشن کا کردار بھی خاصا محتاط رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ بھی مذاکرات کی ناکامی میں حصہ دار نہیں بننا چاہتی۔ گویا تمام فریق بظاہر مذاکرات کو کامیاب دیکھنے کا تاثر دینے کی کوشش میں ہیں۔

اس کے بعد اگرچہ مذاکرات کے دو مزید راؤنڈ مکمل ہو چکے ہیں لیکن صورت حال کچھ بہت زیادہ حوصلہ افزا ابھی نہیں ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ فریقین ان مذاکرات کے ذریعے واقعی مسئلے کا حل چاہتے ہیں یا ان کے ذریعے محض وقت گزاری مقصود ہے۔ ہماری خلوص دل کے ساتھ یہ دعا ہے کہ مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہوں اور بدامنی' انتشار اور قتل و غارت گری کی وہ فضا چھٹ جائے جس نے اہل کراچی کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے۔ لیکن اب تک کی صورت حال کو دیکھتے ہوئے بظاہر مذاکرات کی کامیابی کا امکان کم ہی نظر آتا ہے۔ بہت سے عوامل اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بعض بیرونی قوتیں کراچی کے مسئلے میں دلچسپی ہی نہیں لے رہیں' کراچی کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازش میں باقاعدہ شریک بھی ہیں۔ یہ الزام کہ نیو ورلڈ آرڈر کے مذموم عزائم میں کراچی کو علیحدہ کر کے ہانگ کانگ بنانا بھی شامل ہے' کچھ ایسا غلط

بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ان حالات میں اگر ہماری حکومت اب بھی ہوش کے ناخن لے اور ملک و قوم کے خلوص و اخلاص کا معاملہ کرتے ہوئے مہاجروں کے ان مسائل کو حل کرنے کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ دے کہ جن کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی ہے' ان کی حق تلفی جس جس طور سے ہوتی رہی ہے اس کا ازالہ کرنے کا بھرپور سامان کرے اور دیرپا اور مستقل حل کے طور پر چھوٹے صوبوں کی تشکیل کا اصولی فیصلہ کرتے ہوئے ابتدائی قدم کے طور پر کوئی کمیشن مقرر کرے جو جلد از جلد اس معاملے میں اپنی سفارشات مرتب کرے' تو شاید وقتی طور پر ہم ملکی سالمیت کا تحفظ کرنے اور دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملانے میں کامیاب ہو سکیں۔ اور اس طرح شاید وہ تقدیر مبرم ٹل جائے جو اب نوشتہ دیوار بنی ہوئی ہے۔

اور اگر ایسا نہ ہوا اور افسوس کہ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ اس کی توقع بہت ہی کم ہے' تو خاکم بدہن' کوئی بڑی تباہی اور آفت پاکستان اور اہل پاکستان پر مسلط ہونے والی ہے' جس کا سارا سامان خود ہم نے اپنے ہاتھوں فراہم کیا ہے۔ فی الحقیقت ہمیں یہ سزا اس لئے ملنے والی ہے کہ ہم نے قیام پاکستان سے لے کر اب تک مسلسل اللہ کے ساتھ وعدہ خلافی اور اس کے دین کے ساتھ غداری کا معاملہ کیا ہے' اور ہماری یہ بدعہدی اور غداری دو چار برس کی بات نہیں' نصف صدی کا قصہ ہے۔ قمری تقویم کے مطابق قیام پاکستان کے ٹھیک ۲۵ برس بعد ہماری اس بدعہدی کی سزا کے طور پر اللہ کے عذاب کا کوڑا گردش میں آیا اور ایک ذلت آمیز شکست کے نتیجے میں ہمارا ایک بازو' مشرقی پاکستان ہم سے کٹ گیا۔ اس خونچکاں سانحے پر مزید ۲۵ برس گزرنے میں اب صرف چند ماہ باقی ہیں۔ آئندہ رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے پاکستان کی عمر کے پچاس برس مکمل ہونے والے ہیں' اور نہیں معلوم کہ اب اللہ کے عذاب کا کوڑا کس صورت میں ہم پر برسنے والا ہے۔

حال ہی میں بیت المقدس کے سابق خطیب اور امام شیخ سید اسعد بیوض تمیمی نے جو آج کل پاکستان کے دورے پر تشریف لائے ہوئے ہیں' بادشاہی مسجد لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں جہاں اور بہت سی مفید اور پتے کی باتیں بتائیں وہاں اس حقیقت کا اظہار بھی واشگاف الفاظ میں کیا کہ "پاکستان میں اگر نفاذ شریعت کا معاملہ ہو جاتا تو سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ رونما نہ ہوتا"۔ احباب بخوبی جانتے ہیں کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ مستقل موقف ہے کہ پاکستان کے دولخت ہو جانے اور مستقل طور پر عدم استحکام کا شکار رہنے کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم نے پاکستان کے مقصد وجود سے انحراف کرتے ہوئے یہاں دین حق کو قائم و نافذ نہیں کیا۔ وہ چیخ چیخ کر اس جانب مسلمانان پاکستان کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور مسلسل کر رہے ہیں۔ بالکل یہی بات اب شیخ تمیمی نے اپنے خطاب جمعہ میں کہی ہے۔ متفق گردید رائے بو علی با رائے من!'---- عالم اسلام کے دیگر قابل احترام دینی و مذہبی رہنماؤں کی طرح انہوں نے بھی باہتمام اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ "پاکستان کے ساتھ عالم اسلام کی بہت سی امیدیں اور توقعات وابستہ ہیں"۔ ان بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ تمیمی نہ صرف پاکستان اور اس کے مستقبل کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ یہاں کے حالات پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ ہم میں سے بہت سوں کے حافظے سے سقوط مشرقی پاکستان کی تلخ یاد تو شاید بالکل محو ہو چکی ہے لیکن ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کو' جس کی ایک نمایاں

مثال شیخ تمیمی ہیں' اس سانحے کی یاد آج بھی خون کے آنسو رلاتی ہے۔ انہوں نے اس سانحے کے اصل سبب کی بالکل صحیح نشاندہی کی ہے۔ مسلمانان پاکستان اگر امیر تنظیم اسلامی کے موقف پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہیں تو کم از کم شیخ تمیمی کی بات کو ہی در خور اعتناء سمجھیں!!!

سقوط مشرقی پاکستان سے قبل مغربی پاکستان کے بڑے بڑے سیاسی پنڈت اور تجزیہ نگار حالات کی سنگینی پر تشویش کا اظہار تو کرتے تھے' گو ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو ہمیں یہ لوری دے کر سلانا چاہتے تھے کہ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے' محبت کا زمزمہ بہہ رہا ہے' لیکن ان میں سے کوئی بھی یہ باور کرنے کو تیار نہیں تھا کہ مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایسی بات زبان پر لانا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ہماری یہ خوش فہمیاں حقیقت کو نہیں بدل سکیں۔ بلی کو سامنے دیکھ کر کبوتر اگر آنکھیں بند کر لے تو خطرہ ٹل نہیں جاتا' بلکہ ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ ہم آج بھی اسی سابقہ روش پر عمل پیرا ہیں۔ سقوط مشرقی پاکستان کے المناک واقعے سے ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ہمارا معاشرہ الحاد اور لادینیت کی طرف بگٹٹ دوڑ رہا ہے' سیکولرازم کا سیلاب پورے نظام کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے' ملکی معیشت کا پورا ڈھانچہ سود جیسی لعنت پر استوار ہے اور ہماری معاشرت کو بے پردگی اور عریانی کا عفریت اپنے شکنجے میں لے چکا ہے' گویا ہم پورے طور پر خود کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں' لیکن ہم اللہ کی سزا اور عقوبت سے بے پروا ہو کر اپنی ساری توقعات آج بھی امریکہ سے وابستہ کئے ہوئے ہیں کہ جس کی جانب سے بار بار بے وفائی اور بدعہدی کا ہمیں تجربہ ہو چکا ہے۔

ان حالات میں بظاہر امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ ہم لحظہ بہ لحظہ اللہ کے عذاب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اہل کراچی نے عذاب کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں۔ ہاں' اللہ کی رحمت اگر ہمیں اپنے دامن میں لے لے' ہمیں توبہ کی توفیق مل جائے' مسلمانان پاکستان کا ایک قابل ذکر حصہ اگر ہوش میں آکر پوری سنجیدگی کے ساتھ اس خطہ زمین میں اللہ کے دین کو سربلند کرنے کی بھرپور سعی کا آغاز کر دے تو حالات سدھر سکتے ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہم بروقت ہوش میں آکر اصلاح احوال کر لیتے ہیں یا اللہ کے عذاب کا کوئی سخت کوڑا ہی ہمیں خواب غفلت سے جگانے کا سبب بنتا ہے!!!

☆ ☆ ☆

حسب اعلان ۲۹/ جون کو تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام "ملکی سالمیت اور کراچی کا مسئلہ" کے موضوع پر قرآن آڈیٹوریم لاہور میں سیمینار منعقد ہوا۔ مقررین نے جن میں چیف جسٹس (ریٹائرڈ) نسیم حسن شاہ' مولانا وصی مظہر ندوی' ایس ایم ظفر' جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل اور زیڈ اے سلہری شامل تھے سامعین سے کھچا کھچ بھرے آڈیٹوریم میں مسئلہ کراچی کے ضمن میں اپنا اپنا تجزیہ اور ممکنہ حل پیش کیا۔ سیمینار کے آغاز میں امیر تنظیم اسلامی نے اس ضمن میں اپنا موقف پوری وضاحت کے ساتھ شرکاء کے سامنے رکھا۔ بہت سے اعتبارات سے یہ ایک منفرد اور یادگار سیمینار تھا جس کی افادیت کا اعتراف مقررین حضرات نے بھی کھلے الفاظ میں کیا۔ اس سیمینار کی ایک باتصویر اجمالی رپورٹ "ندائے خلافت" کے سابقہ

شمارے میں شائع کر دی گئی تھی۔ ہفت روزہ "زندگی" لاہور نے اس یادگار سیمینار کی جو رپورٹ شائع کی ہے وہ بہت مفصل اور بھرپور ہے۔ زیر نظر شمارے میں ہم نے اپنے قارئین کے لئے اس رپورٹ کو "زندگی" کے شکریئے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

جولائی کا مہینہ امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کے تنظیمی و دعوتی دوروں کے اعتبار سے مصروف ترین مہینہ تھا۔ مہینے کا اکثر حصہ امیر تنظیم نے بیرون لاہور' پاکستان کے مختلف شہروں کے دوروں میں بسر کیا۔ امیر تنظیم کے یہ دعوتی سفر تین اطراف میں تھے۔ اوائل جولائی میں سرگودھا اور میانوالی کا چار روزہ دورہ ہوا جو لاہور سے مغرب کی جانب واقع ہیں۔ پھر کراچی کا پانچ روزہ دورہ وسط جولائی میں ہوا جو پاکستان کا جنوب ہے۔ آخری عشرے میں امیر تنظیم اسلامی نے شمال کی جانب سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں امیر تنظیم نے جن شہروں کا دورہ کیا ان میں راولپنڈی' اسلام آباد کے علاوہ صوبہ سرحد کے متعدد شہر بھی شامل ہیں جن میں ٹوپی' صوابی' مردان اور پشاور کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے اول الذکر دو دوروں کی رپورٹ ندائے خلافت کے اخباری ایڈیشن میں شائع ہو چکی ہے' آخری دورے کی رپورٹ بھی ان شاء اللہ اس کے آئندہ شمارے میں شائع ہو گی۔ کراچی کے سوا امیر تنظیم اسلامی کے بقیہ تمام سفر By Road ہوئے' تنظیم اسلامی کی ایک ویگن میں امیر تنظیم کے طویل سفروں کے لئے ایک Bed لگا دیا گیا ہے جس سے سفر میں بڑے سہولت ہو جاتی ہے۔ نائب امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ان تمام اسفار میں امیر محترم کے ہمرکاب رہے' ناظم اعلیٰ' محترم عبدالرزاق صاحب نے بھی اکثر مواقع پر ان کا ساتھ دیا۔

اپنی کبر سنی اور گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوصف امیر محترم کی یہ مشقت اور بھاگ دوڑ قابل رشک ہی نہیں' نوجوانوں کے لئے بھی قابل تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ امیر محترم کو ہمت و حوصلہ دیئے رکھے' انہیں صحت و عافیت سے نوازے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے۔ (آمین) OO

آئندہ مبتدی و ملتزم تربیت گاہوں

کا شیڈول

☆ 4 تا 10/ اگست 95ء' بمقام مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' لاہور

☆ 8 تا 14 ستمبر' بمقام قرآن اکیڈمی' 25۔ آفیسرز کالونی' ملتان

نوٹ : واضح رہے کہ مذکورہ بالا دونوں مقامات پر مبتدی اور ملتزم تربیت گاہوں کا انعقاد بیک وقت عمل میں لایا جائے گا

پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں چند گزارشات

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۹ مئی کے خطاب جمعہ سے ماخوذ

خطبہ مسنونہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کے بعد :

آج مجھے پاکستانی مسیحیوں یا عیسائیوں کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنا ہیں۔ اس کی طرف میرا ذہن کیوں منتقل ہوا؟ اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ماضیٔ قریب میں ہمارے ملک میں توہینِ رسالتؐ کے ایک مقدمہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، لیکن یہ کہ اس کا اصل ڈراپ سین جس دور میں ہوا اور اس کے حوالے سے ہنگامہ آرائی نے جن دنوں شدت اختیار کی ان دنوں میں ملک سے باہر تھا۔ اگرچہ کسی قدر خبریں توہین الاقوامی پریس میں بھی آئیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے ہمارے خلاف اسے اچھالا اور مسلم فنڈامنٹلزم کو اس کے حوالے سے گالیاں دیں۔ اس حد تک تو بات وہاں امریکہ کے قیام کے دوران بھی میرے علم میں آگئی تھی، لیکن اس کی تفاصیل اور اصل حقائق سے میں لاعلم رہا۔ لیکن پھر جب میں واپس آیا تو اس مقدمے سے متعلق کچھ اہم حقائق میرے سامنے آئے اور بعض باتیں میرے نوٹس میں لائی گئیں۔ اس سے میری تشویش میں تو اضافہ ہوا لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ابتدا میں اس مسئلے کی طرف کماحقہٗ توجہ نہیں دی۔ البتہ پھر جب اس موضوع پر ہمارے ہاں کے ایک صحافی رائے حسنین طاہر کی کتاب "داغِ ندامت" کے نام سے شائع ہوئی اور میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو پھر مجھ پر حقائق صحیح طور پر واضح ہوئے اور یوں کہنا چاہئے کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ سب سے بڑی بات جو میرے سامنے آئی وہ یہ ہے کہ یہ ایک دو مسخ شدہ ذہن اور مزاج کے لوگوں کا معاملہ تھا۔ اور کوئی نہایت غلیظ ذہن کے لوگ تھے جنہوں نے وہ حرکت کی اور توہین کا معاملہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر

معقول شخص خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو' میری اس بات کی تائید کرے گا کہ ایسی حرکت کوئی انتہائی گھٹیا اخلاق کا مالک' Insale اور ابنارمل انسان ہی کرتا ہے۔ کوئی معقول اور نارمل شخص ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سرورِ کونین محمدؐ رسول اللہ ﷺ یا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو غلیظ گالیاں دے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں کے عیسائیوں نے اسے اپنا مذہبی اور قومی معاملہ بنا دیا۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ وہ اس سے اعلان براءت کرتے اور اس معاملے کو مذہبی مسئلہ بنانے کی بجائے جو لوگ بھی اس سنگین معاملے میں ملوث ہوئے تھے ان کی مذمت کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ اس معاملے کو ملک کے اندر بھی ایک طوفان خیز انداز میں اٹھایا گیا' گویا کہ یہ دو مذہبوں کا ٹکراؤ ہے یا سیکولرازم اور اسلامک فنڈامنٹلزم کا ٹکراؤ ہے' اور اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ عالمی سطح پر عیسائی برادری اور عیسائی دنیا نے اسے اپنا ایک مسئلہ بنا دیا۔

اس ضمن میں جو کچھ ہماری عدالتوں نے کیا' ظاہر بات ہے کہ مجھے ان پر تنقید نہیں کرنی اور نہ ان کی نیت پر حرف زنی میرے پیش نظر ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کیا قانون کے مطابق کیا' لیکن یہ کہ عالمی سطح پر جو دباؤ پڑ رہا تھا وہ اس سے غیر متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ جج صاحبان بھی تو انسان ہی ہیں' وہ کوئی آسمان سے اترے ہوئے فرشتے نہیں ہیں۔ اس عالمی دباؤ کا یقیناً اثر ظاہر ہوا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ اس مقدمے کو نمٹایا گیا اور اس قانونی کارروائی (Legal Process) کے بعض تقاضوں کو جس طرح نظر انداز کیا گیا' وہ اپنی جگہ محلِ نظر ہیں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جو ریکارڈ میں آ چکی ہیں اور اب تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان کا فیصلہ (Judgement) یقیناً دیانتدارانہ ہو گا' اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ جب تک کسی جرم کو ثابت نہ کیا جا سکے' سزا نہیں دی جا سکتی۔ یہ اصول تو ہمیں محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے کہ شک کا فائدہ ہمیشہ "ملزم" کو دیا جانا چاہئے۔ بلکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات تو یہ ہیں کہ سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں' لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہیں ہونی چاہئے! آج کی عدلیہ کے تمام اصول دراصل' محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے ہیں۔ اقبال نے بالکل صحیح کہا تھا۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است!

دنیا میں جو بھی خیر اور خوبی ہے وہ در حقیقت نورِ محمدیؐ سے مستعار ہے' حضورؐ ہی کی دی ہوئی تعلیمات کا پرتو ہے۔ چنانچہ عدلیہ کے یہ تمام سنہرے اصول کہ جب تک آپ فریقِ ثانی کی بات نہ سن لیں' فیصلہ نہ کریں' نیز یہ کہ ثبوت کا بار مدعی پر ہے' مدعا علیہ کی طرف سے قسم بھی کافی ہو جائے گی لیکن مدعی قسم کے ذریعے سے اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا' یہ سب بھی حضورؐ کے دیئے ہوئے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مقدمے کی جو بھی صورت سامنے آئی وہ ایسی تھی کہ ملزموں کو شک کا فائدہ دینا غلط نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس والوں کی کوتاہی سے ریکارڈ کے اندر کوئی کمی رہ گئی ہو' یا اور کوئی رخنہ ایسا رہ گیا ہو جس کے باعث جرم پوری طرح ثابت نہ کیا جا سکا ہو۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ مقدمات جب چلتے ہیں تو کوئی رخنہ اگر شروع میں رہ گیا ہو تو بہت سے سچے مقدمے بھی ثابت نہیں ہو پاتے۔ بہرحال اس اعتبار سے میں عدلیہ کے اوپر کوئی تنقید نہیں کر رہا ہوں' لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ یہ معاملات نمٹائے گئے۔ یہ یقیناً اس عالمی دباؤ کا معاملہ ہے۔

اس معاملے کی سنگینی میں مزید اضافہ ہوا جب اس کے بالکل برعکس ایک کیس سامنے آیا اور اسے بھی مذہبی بنیادوں پر ہوا دی گئی۔ ہوا یہ کہ ایک talented عیسائی بچہ اقبال مسیح ایک مسلمان کی نگاہ میں آیا اور وہ بچہ بانڈڈ لیبر کے خلاف احتجاجی تحریک کا لیڈر بن گیا۔ اتفاقاً وہ بچہ ایک جنسی جنونی کے ہاتھوں قتل ہو گیا جو کسی مسلمان زمیندار کا کوئی پہرے دار قسم کا آدمی تھا' لیکن نشئی تھا' چرسی بھنگی تھا اور وہ کوئی نہایت ہی معیوب اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت کر رہا تھا کہ بعض بچوں نے' جن میں اقبال مسیح بھی شامل تھا' اسے وہ حرکت کرتے دیکھ لیا' چنانچہ ان بچوں نے شور مچایا' اس شقی انسان نے بندوق نکالی اور فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں اقبال مسیح ہلاک ہو گیا۔ اس واقعے کو بھی اس طرح اچھالا گیا کہ پوری دنیا کے اندر پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔ اسے ایسا رنگ دیا گیا کہ گویا عیسائیت اور اسلام کے درمیان کوئی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ دنیا کو تاثر یہ دیا گیا کہ

چونکہ وہ بانڈڈ لیبر کے خلاف جدوجہد کی علامت بن گیا تھا اس لئے اسے قتل کیا گیا ہے۔ یہ ساری چیزیں درحقیقت کس چیز کی غمازی کر رہی ہیں؟۔ یہ کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں! اس کے پیچھے یقیناً کوئی خفیہ ہاتھ ہے جو کہ ایک طرف مسلمانوں کے اندر شیعہ اور سُنّی کو باہم لڑانا چاہتا ہے تو دوسری طرف عالمِ اسلام میں مسیحیوں اور مسلمانوں کو لڑانا چاہتا ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے' یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ جو اچانک ہو گیا ہو۔ عالمی ذرائع ابلاغ کے پاس ٹائم اتنا بے وقعت نہیں ہوتا کہ وہ اسے چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے صَرف کر سکیں' ان کا تو ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ آپ ذرا ان کا کچھ وقت خریدنے کی کوشش کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ کیا قیمت دینی پڑے گی۔ وہ ذرائع ابلاغ اگر ایسی چیزوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں' تو یقیناً یہ کوئی بڑی اسکیم ہے۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں!

اس کے پیچھے یقیناً کوئی خفیہ ہاتھ کار فرما ہے۔

یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے باہمی تعلّقات و روابط کا

تاریخی پس منظر

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اس کی وضاحت کروں۔ اس سلسلے میں' میں آپ کے سامنے تاریخی پس منظر لانا چاہتا ہوں کہ یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے روابط کیا ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کیا تبدیلیاں آئیں؟ یہ بہت اہم تاریخی موضوع ہے اور میری کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں بھی یہ چیزیں کسی حد تک زیرِ بحث آئی ہیں۔ تاہم میری آج کی گفتگو چونکہ ایک نئے عنوان کے تحت ہو رہی ہے لہٰذا اس کے حوالے سے میں آپ کے سامنے کچھ نئی چیزیں بھی رکھ رہا ہوں اور اس کی ترتیب بھی نئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات کو مختلف ادوار کے حوالے سے سمجھنا چاہئے۔

۱۔ بعثتِ محمدیؐ سے ماقبل کا دور

اس ضمن میں پہلا دور ظہورِ اسلام یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا دَور ہے۔ اس دور میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین شدید دشمنی اور عداوت تھی۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس ہستی کو عیسائی 'تثلیث کے عقیدے کے تحت الوہیت کا جزو مانتے ہیں' جنہیں وہ خداوندِ یسوع مسیح کہتے ہیں' ان کو سولی پر چڑھانے والے یہودی علماء تھے۔ ان کے نزدیک حضرت مسیحؑ بھی (معاذ اللہ) مرتد اور واجب القتل تھے اور جو بھی ان پر ایمان لایا' وہ بھی مرتد اور واجب القتل تھا۔ چنانچہ ان کے مابین تعلقات دشمنی اور عداوت کے حامل رہے۔ لیکن چھ سو برس پر محیط اس دشمنی اور عداوت میں دو رنگ ملتے ہیں۔ یعنی پہلے تین سو برس یہودی عیسائیوں پر بدترین تشدد کرتے رہے جبکہ دوسرے تین سو برس میں عیسائیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی پٹائی ہوتی رہی۔ پہلے تین سو برس کے دوران یہودیوں کو سلطنتِ روما کی سرپرستی حاصل رہی' چنانچہ انہوں نے بت پرست رومیوں کے ذریعے عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ یہ بدترین تشدد و تعذیب کا دور ہے جو عیسائیوں نے برداشت کیا ہے۔ اُس وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیروکار موجود تھے جن پر یہودیوں نے بت پرست رومیوں کے ذریعے سے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اسی سلسلے کا واقعہ اصحابِ کہف کا ہے جو حضرت مسیحؑ کے پیروکار تھے اور بت پرست رومی شہنشاہ نے انہیں الٹی میٹم دے دیا تھا کہ یا تو اپنے اس مذہب عیسائیت سے تائب ہو جاؤ' ورنہ میں تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا یا رجم کر دوں گا۔ تب وہ بے چارے ایک غار میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ اُس دور کا واقعہ ہے۔ اصحابِ کہف تین سو برس تک اس غار میں رہے۔ اس کے بعد جب صورتحال تبدیل ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو بھی برآمد کر لیا۔ قرآن حکیم میں ان کی غار کے قیام کی مدت کے بارے میں الفاظ آئے ہیں: "وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا" یعنی وہ اپنی غار میں تین سو برس تک رہے بلکہ نو برس مزید بھی۔۔۔۔ شمسی حساب سے ان کی مدتِ قیام تین سو برس بنتی ہے اور قمری حساب سے تین سو نو برس' کیونکہ قمری حساب سے ہر صدی میں

تین برس کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳۰۰ء میں رومی سلطنت میں یہ عظیم تبدیلی آئی کہ رومی شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کرلی۔ چنانچہ اب عیسائیت نے ریاست کے سرکاری مذہب کی حیثیت اختیار کرلی اور اسے ایک گونہ فضیلت اور فوقیت حاصل ہو گئی۔ اس تبدیلی کے بعد اب عیسائیوں نے یہودیوں سے خوب رگن رگن کر بدلے لئے اور ان کی خوب مرمت کی۔ بہرحال ان چھ سو برسوں کے دوران یہود و نصاریٰ کے درمیان سخت چپقلش رہی' ان کے مابین دشمنی رہی اور جب جس کا داؤ چل گیا اس نے مخالف سے بدلہ لیا۔ ان دوسرے تین سو سالوں کے دوران' حضورؐ کی ولادت سے تقریباً چالیس برس قبل اور حضورؐ کی بعثت سے تقریباً پون صدی قبل' ایسی صورتحال پیدا ہو گئی کہ یمن میں جو بہت عرصے سے ایک عیسائی ملک چلا آ رہا تھا' یہودیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ وہاں سے انہوں نے جنوبی عرب میں نجران پر حملہ کیا جو عیسائیوں کا گڑھ تھا۔ فتح نجران کے بعد یہودی بادشاہ ذو نواس نے عیسائیوں کو عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کیا اور اس سے انکار پر اس نے سینکڑوں نہیں ہزاروں عیسائیوں کو آگ میں زندہ جلادیا۔ قرآن حکیم میں یہ واقع سورۃ البروج میں مذکور ہے :

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝

"قسم ہے مضبوط قلعوں والے آسمان کی' اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (یعنی قیامت) اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانے والی چیز کی' کہ مارے گئے گڑھے کھودنے والے' (وہ گڑھے کہ جن میں) آگ تھی خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن والی' جبکہ وہ اس (کے کنارے) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو کچھ وہ ایمان لانے والوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے"۔

یہاں "مومنین" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور ان پر ایمان لانے والے' ان کے

پیروکار' مومن تھے۔ ان پر یہودیوں نے یہ ستم توڑا جس کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔ یہ واقعہ ۵۲۳ عیسوی کا ہے۔

میں نے آپ کو چھ سو برس کی داستان بتادی ہے کہ اس عرصے میں ان کے مابین کوئی دوستی نہیں تھی' بلکہ شدید ترین دشمنی تھی۔ پہلے تین سو برسوں میں یہودیوں کا داؤ چل گیا تو انہوں نے بت پرست رومیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی خوب پٹائی کروائی اور اگلے تین سو برس میں چونکہ سلطنتِ روما بحیثیتِ مجموعی عیسائی ہو گئی تو پھر انہوں نے یہودیوں کی مرمت کروائی۔ البتہ اس دوران اتفاقاً ایسا ہو گیا کہ یمن میں عارضی طور پر یہودیوں کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے پھر نجران کے عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

۲۔ آنحضور ﷺ کا عہدِ مبارک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت جو صورتحال تھی اس کا اندازہ سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ و مابعد سے ہوتا ہے :

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

"تم تمام انسانوں میں اہل ایمان کے شدید ترین دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔ اور ان سب میں قریب ترین پاؤ گے محبت میں اہل ایمان کے لئے ان کو جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں بڑے عالم اور درویش لوگ ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے"۔

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ایسے حق شناس راہب موجود تھے۔ چنانچہ بحیرہ وہ عیسائی راہب تھا جس نے کہ حضورؐ کو بچپن ہی میں پہچان لیا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی راہنمائی کرنے والا بھی ایک عیسائی راہب ہی تھا' جس نے آپؓ سے کہا تھا کہ جاؤ' میرا علم بتاتا ہے کہ جنوب میں کھجوروں کی سرزمین میں آخری نبیؐ کی نبوت کے ظہور کا وقت آگیا ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان فارسی شام سے ایک قافلے کے ہمراہ چلے' راستے میں قافلے پر ڈاکہ پڑ گیا اور ان کو گرفتار کر کے غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ آپؓ کا خریدار مدینے کا ایک یہودی تھا۔ اس طرح آپؓ مدینے پہنچ گئے' جبکہ حضورؐ ابھی مکے ہی میں تھے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت عیسائیوں میں کیسے کیسے لوگ موجود تھے۔

پھر اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ جب ایرانیوں اور رومیوں کی جنگوں کا سلسلہ چل رہا تھا تو ۶۱۴ء میں (یعنی حضورؐ کی بعثت کے چوتھے یا پانچویں برس) رومیوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں بڑی زبردست شکست ہوئی۔ ہرقل کو ایسی شکست ہوئی کہ پورا شام اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ایرانیوں نے یروشلم کو تباہ و برباد کر دیا اور صلیب اکھاڑ کر ساتھ لے گئے۔ رومیوں کی اس شکست پر اُس وقت مسلمانوں کو افسوس ہوا تھا' کیونکہ مسلمانوں سے قریب ترین تو یہی تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں کہ دیکھو ہمارے آتش پرست ایرانی بھائی فتح سے ہمکنار ہوئے ہیں اور تمہارے اہل کتاب بھائی' عیسیٰؑ کے پیروکار (جنہیں تم بھی رسول مانتے ہو) شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ دیکھو ہمارے بھائیوں نے تمہارے بھائیوں کی خوب پٹائی کی ہے۔ اس پر مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں :

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ○

"مغلوب ہو گئے ہیں رومی' قریب کی سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے' چند برسوں میں"۔

قرآن حکیم میں پیشین گوئی کر دی گئی کہ عنقریب پانسہ پلٹ جائے گا اور دس سال سے کم کی مدت کے اندر اندر رومی پھر غالب آ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عین غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اسی وقت ہرقل نے ایرانیوں کو زبردست شکست دی۔ اس کے بعد قیصرِ روم ہرقل ننگے پاؤں' پاپیادہ چل کر بیت المقدس آیا تاکہ وہاں پر عبادت کرے اور صلیب جو واپس حاصل کر لی گئی تھی اس کو وہاں پر دوبارہ نصب کرے۔ یہ ساری صورتحال میں یہ واضح کرنے کے لئے بتا رہا ہوں کہ حضورؐ کی بعثت کے بعد اسلام

اور مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کا معاملہ کیا رہا اور یہودیوں کا کیا رہا۔ یہودیوں نے بدترین دشمنی کا معاملہ کیا لیکن عیسائیوں نے ہمدردی و خیر خواہی کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبشہ کی سرزمین مسلمانوں کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوئی تھی اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشیؓ ایمان بھی لے آئے تھے اگرچہ ان کی پوری قوم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ نجاشیؓ صحابی نہیں ہیں بلکہ انہیں تابعی کہا جاتا ہے' اس لئے کہ حضورؐ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب مدینہ میں ان کے انتقال کی خبر آئی تو حضورؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ اسی طرح جب حضورؐ نے مختلف سربراہانِ مملکت کو خطوط بھیجے تو آپ کو معلوم ہے کہ قیصر روم ہرقل نے کوشش کی تھی کہ پوری سلطنت روما ایک ساتھ اسلام قبول کرلے۔ وہ حضورؐ کو پہچان گیا تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں' لیکن وہ چاہتا تھا کہ جس طرح تین سو سال قبل قسطنطین کے عیسائیت قبول کرلینے پر پوری مملکت عیسائی ہوگئی تھی اسی طرح اب پوری مملکت مسلمان ہو جائے۔ اس طرح میری حکومت باقی رہے گی' ورنہ اگر میں اکیلا ایمان لاؤں گا تو میری حکومت جاتی رہے گی' مجھے مار کے باہر نکال دیں گے۔ لہٰذا حکومت کی بیڑی اس کے پاؤں میں پڑی رہ گئی اور اس وجہ سے وہ محروم رہ گیا۔ ورنہ وہ حضورؐ کو پہچان چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں اس نے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرکے میں کہاں بچ سکوں گا۔ حضورؐ تبوک میں کیمپ لگا کر قیام پذیر رہے اور آس پاس کے جتنے لوگ تھے ان سے معاہدات کرکے اپنی پوزیشن مستحکم کی۔ لیکن وہ مقابلے پر نہیں آیا۔ مقوقس شاہ مصر بھی عیسائی تھا۔ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے حضورؐ کی خدمت میں ہدایہ بھیجے' اگرچہ وہ ایمان نہیں لایا۔ چنانچہ آنحضورؐ کے ساتھ نصاریٰ کا معاملہ' یہودیوں کے برعکس' دشمنی کا نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجے میں تعاون کا رہا ہے۔ لہٰذا سورۃ المائدہ کی آیت ۸۳ میں ان کا بایں الفاظ ذکر ہے :

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

"اور جب وہ اِس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں آنسوؤں سے 'اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے 'ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے!"

اس کے برعکس اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن یہودی اور مشرکین تھے' اگرچہ ان میں ایک فرق یہ تھا کہ مشرکین کی دشمنی صاف اور کھلی تھی' جبکہ یہود کی دشمنی سازشی انداز کی تھی۔ وہ سامنے آکر مقابلہ نہیں کرتے تھے۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں (سورۃ الحشر: ۱۴) الفاظ وارد ہوئے ہیں: "لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ" یعنی "(اے مسلمانو) یہ یہودی ہرگز کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہ کر سکیں گے 'لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر"۔ چنانچہ یہود کی دشمنی کا انداز سازشی رہا ہے۔ وہ اپنی سازشوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتے رہے۔ قرآن حکیم میں دو مقامات پر ان کی سازشوں کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا گیا ہے: "يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" (الصف: ۸) اور "يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" (التوبہ: ۳۲) یعنی "یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں' جبکہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے"۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

۳۔ فتح بیت المقدس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب شام میں جہاد ہو رہا تھا تو مسلمانوں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا' لیکن شہر فتح نہیں ہو پا رہا تھا۔ شہر کی فصیل بہت اونچی اور بڑی مضبوط

تھی اور اندر ہر طرح کی ضروریاتِ زندگی موجود تھیں۔ اس کا فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ راشن ختم ہو جائے تو لوگ مجبور ہو کر بھوک کے مارے دروازہ کھولیں۔ وہاں اُس وقت عیسائیوں کی حکومت تھی۔ جب محاصرے نے بہت طول کھینچا تو انہی عیسائیوں کی طرف سے یہ بات آئی کہ مسلمانو! اگر تم قیامت تک بھی ہمارا محاصرہ کئے رکھو تب بھی یروشلم کو فتح نہیں کر سکتے' ہاں ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض مخصوص اوصاف کے حامل ایک درویش بادشاہ کے ہاتھوں یروشلم کو فتح ہونا ہے' لیکن ہمیں ان اوصاف کا حامل شخص تم میں سے کوئی نظر نہیں آتا۔ مسلمان چونکہ کافی عرصے سے شام میں رہ رہے تھے اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے' چنانچہ مسلمان بھی اچھے کپڑے پہنتے تھے اور ان کے اندر دورِ نبوی ؐ کی درویشی کا رنگ نظر نہیں آ رہا تھا' حالانکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے' جنہیں رسول اللہ ﷺ نے "اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّة" قرار دیا تھا۔ ان کا ذہن منتقل ہوا کہ ہو نہ ہو یہ درویش بادشاہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اب حضرت عمرؓ کی خدمت میں محاذِ جنگ سے درخواست گئی کہ آپ تشریف لے آئیں تو یروشلم بغیر جنگ کے فتح ہو جائے گا۔ تب حضرت عمرؓ نے ایک غلام کے ہمراہ بیت المقدس کا وہ تاریخی سفر کیا جو تاریخ انسانی کے عظیم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ جب حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو عیسائی راہبوں نے اپنی کتابوں میں سے نشانیاں دیکھ کر کہا کہ ہاں یہی ہیں وہ درویش بادشاہ۔ اور یروشلم کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح بغیر کسی خونریزی کے بیت المقدس فتح ہو گیا۔

اس کے ضمن میں یہ اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ ۷۰ء میں رومی جرنیل ٹائیٹس نے یروشلم پر حملہ کیا تھا اور ہیکلِ سلیمانی کو مسمار کر دیا تھا جو کہ آج تک مسمار پڑا ہوا ہے۔ ہیکل سلیمانی کی حیثیت یہودیوں کے لئے کعبہ کی ہے جسے منہدم ہوئے ۱۹۲۵ برس پورے ہو گئے ہیں۔ ٹائیٹس نے نہ صرف ہیکل سلیمانی مسمار کیا بلکہ یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ چنانچہ اُس وقت سے وہاں یہودیوں کا داخلہ ممنوع رہا۔ یہاں تک کہ ۶۵۰ء کے قریب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا تو آپؓ نے ان پر یہ کرم فرمایا کہ انہیں وہاں آنے کی اجازت دی۔ تاہم چونکہ عیسائیوں نے جنگ کئے بغیر پُرامن طور پر ہتھیار ڈال

دیئے تھے لہٰذا انہوں نے مصالحت کی شرائط میں یہ شرط رکھوائی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کا حق حاصل نہیں ہو گا' وہ یہاں کوئی پراپرٹی نہیں خرید سکیں گے' کوئی مکان نہیں بنا سکیں گے' بس زیارت کریں اور واپس چلے جائیں' اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

یہود کی تاریخ میں یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے' اس لئے کہ جب انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا تو یہ دنیا بھر میں منتشر ہو گئے' جس کے جہاں سینگ سمائے چلا گیا۔ چنانچہ کوئی روس کو چلے گئے' کوئی یورپ کو چلے گئے' کوئی افریقہ چلے گئے' کوئی ہندوستان چلے آئے' کوئی ایران اور ترکی میں آکر آباد ہو گئے۔ اس طرح یہ منتشر طور پر پوری دنیا میں بس گئے' لیکن اپنی ارضِ مقدس کی یاد انہوں نے اپنے سینوں میں رکھی۔ ان کا یہ دورِ انتشار ۱۹۱۷ء میں بایں معنیٰ ختم ہوا کہ اعلانِ بالفور کے نتیجے میں انہیں وہاں آباد ہونے کا حق دیا گیا ورنہ سلطنتِ عثمانیہ نے اپنے تمام تر زوال کے باوجود حضرت عمرؓ کے ساتھ ہونے والے عیسائیوں کے معاہدے کا پوری طرح احترام کیا۔ یہودیوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو بڑی سے بڑی رشوت پیش کر کے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے' مگر انہیں اس کی اجازت نہیں مل سکی۔ لیکن پھر "واسپ" (White Anglo Sexen Protestants) نے ۱۹۱۷ء میں اعلانِ بالفور کے ذریعے ان پر عائد پابندی کو ختم کروایا۔ اُس وقت برطانیہ سپریم پاور تھی اور اس کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا' لہٰذا کون تھا جو اعلان بالفور کے آگے رکاوٹ بن سکتا۔ چنانچہ اس وقت سے انہیں یہاں آباد ہونے کی اجازت حاصل ہو گئی۔

بہرحال میں نے حضرت عمرؓ کا واقعہ آپ کو اس حوالے سے سنایا ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کرتے وقت یہ شرط عیسائیوں کی طرف سے رکھوائی گئی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ ان کے آپس کے بیر کا معاملہ تھا۔ قرآن حکیم میں بھی ان کے آپس کے بیر کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۳ کے الفاظ ہیں: "قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ" یعنی "یہود

کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب پڑھتے ہیں"۔ یہود و نصاریٰ ایک ہی کتاب کے پڑھنے والے ہیں' تورات کو وہ بھی مانتے ہیں یہ بھی مانتے ہیں' اس کے باوجود یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی حقیقت نہیں' یہ بے بنیاد ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی حقیقت نہیں' ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ تو ان کے درمیان جو دشمنی اور بیر چلا آرہا تھا یہ اسی کا ایک مظہر ہے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کے وقت یہ شرط رکھوائی کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۴۔ فتح ہسپانیہ

یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات کے چوتھے دور کا آغاز "فتح سپین" سے ہوتا ہے۔ اُس وقت یہود "خداوند یسوع مسیح کے قاتل" ہونے کے جرم میں پوری عیسائی دنیا میں مبغوض و مقہور تھے' یورپ میں یہ عیسائیوں کے ہاتھوں تختہ ستم بنے ہوئے تھے' لہٰذا انہوں نے عیسائیوں کے خلاف یہ چال چلی کہ جب حضرت طارق بن زیادؒ فتح سپین کے لئے داخل ہوئے تو انہوں نے ان کی مدد کی' کیونکہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انہیں مسلم سپین میں تحفظ اور وقار حاصل ہوا۔ ظاہر بات ہے کہ جس نے فتح میں مدد کی ہو وہ تو گویا ایک طرح کا محسن ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ہندوستان میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا تو پھر ہمایوں ایران سے شیعہ فوج ہمراہ لے کر آیا تھا اور یہ قزلباش جو یہاں آباد ہیں یہ اُس وقت کے آئے ہوئے ہیں۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب شیعیت ہندوستان میں آئی' ورنہ ہندوستان میں اس سے پہلے شیعیت کا وجود ہی نہ تھا۔ ہمایوں کی مدد کرنے پر انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور بڑے بڑے عہدے ملے' نور جہاں شاہی محل کے اندر پہنچ گئی اور اس کا بھائی سپہ سالار اور گورنر بن گیا۔ چنانچہ شیعیت کو جس طرح یہاں فروغ حاصل ہوا' یوں سمجھئے کہ اسی طرح یہودیت کو اسپین میں فروغ حاصل ہوا' اس لئے کہ وہ مسلمان عربوں کے محسن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بن گوریان جو غالباً ان کا وزیر اعظم یا صدر تھا' اس نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ لکھے ہیں :

"Muslim Spain is the golden eara of our diaspora"

یعنی مسلم سپین کا زمانہ ہمارے دورِ انتشار کا سنہری زمانہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں انہیں عزت اور حفاظت ملی۔ لیکن ان بدبختوں کی احسان فراموشی اور محسن کُشی ملاحظہ ہو کہ وہیں پر بیٹھ کر انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف بھی سازشیں کرنی شروع کر دیں۔

۵ - ہسپانیہ میں قیام کے دوران یہود کی ریشہ دوانیاں

سپین میں قیام کے دوران انہوں نے ایک کام تو یہ کیا کہ عیسائیوں میں تفرقہ پیدا کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے سپین میں علم کی روشنی پھیلائی تو وہاں تمام یورپ سے لوگ تعلیم حاصل کرنے آنے لگے۔ باقی پورا براعظم تو اُس وقت جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا تھا۔ جس طرح آج آپ کے نوجوان تعلیم حاصل کرنے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں اسی طرح اس وقت لوگ قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں میں آتے تھے۔ حصولِ علم کے لئے سپین آنے والے عیسائیوں کو وہاں پر مقیم یہودیوں نے آزاد خیالی اور حریتِ فکر کے نام پر بائبل سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا اور ان خیالات کے ذریعہ سے عیسائیت میں تفرقہ پیدا کیا۔ چنانچہ عیسائی دو فرقوں --- کیتھولک اور پروٹسٹنٹ --- میں تقسیم ہو گئے۔ یہودی اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں میں بھی تفرقہ پیدا کر چکے تھے۔ عبداللہ ابن سبا یہودی نے ملتِ اسلامیہ میں شیعہ سنی کی تقسیم پیدا کر کے ایک مستقل فتنہ برپا کر دیا۔ ابتداء میں یہ دو گروہ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ عثمانؓ کی شکل میں تھے لیکن اس کے بعد "شیعہ" کا لفظ شیعان علیؓ کے لئے مخصوص ہو گیا اور شیعان عثمانؓ "سُنّی" کہلانے لگے۔ بہرحال یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جسے میں نے اِس وقت صرف ایک مثال کے طور پر سامنے رکھا ہے کہ یہود کے سازشی ذہن نے ملتِ اسلامیہ میں شیعہ سنی کی اور ملتِ عیسوی میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق پیدا کر دی۔ اس طرح گویا یہودیوں نے عیسائیوں سے ان کے تشدد اور تعذیب کا انتقام لیا۔

مسلم سپین میں تحفظ حاصل ہونے کے بعد یہودیوں نے جو دوسرا بڑا "کارنامہ"

سرانجام دیا، جس کے لئے میں نے ابھی محسن کُشی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ یہ کہ انہوں نے عیسائیوں کی نفرت اور دشمنی کا رخ یہودیوں کی بجائے مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعثتِ محمدیؐ کے تین سو برس بعد صلیبی جنگیں شروع ہو گئیں۔ اتنی بڑی تیاریوں کے ساتھ اتنی بڑی جنگیں کیسے شروع ہو گئیں کہ تمام دولِ یورپ مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے کے لئے چلے آ رہے ہیں۔ شیودل رچرڈ جزائر برطانیہ سے مسلمانوں کے خلاف "مقدس جنگ" کرنے چلا آ رہا ہے۔ آخر اس کے پیچھے کوئی شازشی ذہن تھا، تبھی یہ سب کچھ ہوا ہے، ایسے تو نہیں ہو گیا۔ اسی طرح کی ایک چالبازی ہمارے ساتھ انگریز بھی کر کے گیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو آزاد تو کر دو لیکن کشمیر کا جھگڑا پیدا کر کے جاؤ تاکہ یہ آپس میں لڑتے رہیں اور ہمارے دونوں دوست رہیں، دونوں دولتِ مشترکہ کے رکن رہیں، ورنہ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف انتقامی جذبات پیدا ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے ان پر دو سو برس تک حکومت کی ہے۔ تو بجائے اس کے کہ محکوم کے دل میں اپنے سابقہ حاکموں کے خلاف نفرت پیدا ہو، ان کی نفرت کا سارا لاوا آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف پھٹنا چاہئے۔ ایسی ہی چالبازی یہودیوں نے کی کہ عیسائیوں کی نفرت کے رخ کو مسلمانوں کی طرف پھیر دیا اور اس کے نتیجے میں عظیم صلیبی جنگیں ہوئیں۔

۶۔ یورپ میں یہود کی مزید "کامیابیاں"

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ یورپ میں مزید تین سو برس کے بعد یہود کو کیا کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جب انہوں نے عیسائیت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق پیدا کر دی تو پوپ کی حیثیت کیتھولک عیسائیت کے سربراہ کی رہی، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ آزاد خیالی کا علمبردار اور "حقوقِ انسانی" کا دعویدار بن گیا۔ چنانچہ آزادئ فکر، حریتِ عمل اور مرد و زن کی مساوات سب سے بڑے انسانی حقوق قرار پائے اور ان کا عالمگیر تصور اس انداز سے پیش کیا گیا کہ ہر شخص کو سوچنے سمجھنے اور اپنی سوچ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے۔ ایک شخص سڑک پر ننگا ہو کر پھرنا چاہے تو آپ کون ہوتے ہیں اسے روکنے والے؟ آپ اسے نہیں دیکھنا چاہتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیجئے۔ اگر دو مرد اپنی جنسی تسکین آپس میں کرنا

چاہتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے' آپ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے؟ باہمی رضامندی سے اگر ایک مرد اور ایک عورت زنا کر رہے ہیں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ حرام کاری میں ملوث ہو گئی ہے تو اسے اپنی بیوی کے خلاف اقدام کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ البتہ وہ عدالت سے رجوع کر سکتا ہے کہ میرے حقوق میں مداخلت ہو گئی ہے۔ یہ ایک دیوانی مقدمہ ہو گا' فوجداری مقدمہ نہیں ہو گا۔ اگر زانیہ اور زانی دونوں راضی ہیں تو پھر حکومت کو کوئی اعتراض نہیں۔ یہ ساری یہودی ذہن کی چالاکی ہے جس نے اس سارے معاشرے کو بدکردار بنا کر اسے اخلاقی اعتبار سے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ نتیجتاً وہاں پر خاندان کا ادارہ موجود ہی نہیں رہا۔ ہوس پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ ماں' بیوی اور بیٹی میں کوئی فرق ہی نہیں رہا۔ یہ سب کچھ ایسے ہی تو نہیں ہو گیا۔ اس کے پیچھے یہود کا سازشی ذہن کار فرما ہے۔

یہودیوں نے دوسری کامیابی یہ حاصل کی کہ وہاں پر سود کی اجازت حاصل کر لی اور سود کے ہتھکنڈے سے پورے یورپ کی معیشت پر چھا گئے۔ اور یاد رہے کہ یورپ کی معیشت پر چھا جانے والوں میں ایک یہ گولڈ سمتھ کا خاندان ہے جس کی داماد کی سعادت عمران خان کے حصے میں آئی ہے۔ یہ یہودی بینکرز کہ آج تمام یورپی حکومتیں جن کی مقروض ہیں' ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ سازش کر کے حکومتوں کو آپس میں لڑاتے' پھر حکومتوں کو ہتھیار خریدنے کے لئے سرمائے کی ضرورت پڑتی تو انہیں قرض دیتے۔ اب جو قرض کے جال میں بندھ گئے ان سے جو چاہو کروالو۔ یہی حال اس وقت امریکہ کا ہے کہ وہ یہودی بینکرز کے شکنجے کے اندر کسا ہوا ہے۔ چنانچہ اِس وقت دنیا کی سب سے بڑی مقروض حکومت امریکہ کی ہے۔ اور وہاں کے بینک ریاست کے تابع نہیں ہیں بلکہ آزاد اور خود مختار ہیں۔ جس طرح فرائڈ کے نزدیک ego کے اوپر super ego ہے اسی طرح امریکہ میں State کے اوپر Super State کی حیثیت درحقیقت یہودی بینکرز کو حاصل ہے۔ بہرحال یورپ میں یہودیوں کو بہت بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ انہوں نے وہاں کی معیشت پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ گویا ؏

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

یہ بات علامہ اقبال نے اس صدی کے آغاز میں کہہ دی تھی جب کہ ہٹلر کو ابھی شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اِس وقت "ہالوکاسٹ" (Holocaust) زیر بحث نہیں ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ کتنا صحیح تھا کتنا غلط' میں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ جبکہ جرمنوں کو ابھی اس کا احساس اور شعور بھی نہیں تھا' ہمارے حکیم الامت شاعر مشرق نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا۔ اس لئے کہ علامہ صحیح معنوں میں "شاعر" تھے اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا شعور بیدار ہو۔ اقبال کہتے ہیں۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تو ان کی نگاہِ دور رس نے دلِ وجود کو چیر کر دیکھ لیا کہ ع

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

اور یہ صرف اقبال ہی دیکھ سکتا تھا' کسی اور کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اِس چھٹے دور میں انہوں نے آزاد خیال "واسپ" (White Anglo Sexen Protestants) کو اپنا آلۂ کار بنایا' جبکہ رومن کیتھولکس یعنی پاپائے روم کے ساتھ اپنی وفاداری برقرار رکھنے والے پرانے عیسائی ان کے ہتھکنڈوں میں نہیں آئے۔ "واسپ" (WASP) کی اِس وقت دنیا میں تین بڑی حکومتیں ہیں: امریکہ' برطانیہ اور فرانس۔ اور یہی تین آپ کو ہر جگہ اکٹھے ملیں گے۔ ہر بین الاقوامی معاملہ میں ہمیشہ ان کا موقف ایک ہو گا۔ البتہ حال ہی میں ایک معجزہ ہوا ہے کہ یہ تینوں ایک ساتھ نہیں رہے۔[1] یہ چیز حالات و واقعات کی تبدیلی کی ایک علامت ہے۔

---

[1] یہاں اشارہ اس اہم واقعے کی طرف ہے کہ حال ہی میں اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے اسرائیل کی اس بنیاد پر مذمت کی ہے کہ اس نے عرب زمینوں پر قبضہ کیا ہے۔ یہودی دراصل ہیکلِ سلیمانی کے پورے علاقے کو گھیرے میں لے لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کسی بھی وقت اس میں کوئی تخریبی کارروائی کر سکیں۔ یہ بات غیر معمولی ہے کہ اسرائیل کی مذمت کی یہ قرارداد سیکیورٹی کونسل میں تنہا امریکہ کو ویٹو کرنا پڑی ہے' فرانس اور برطانیہ نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔

۷۔ ماضی قریب میں یہود کی آخری اور اہم ترین "فتح"

یہودیوں نے حال ہی میں عیسائیوں پر آخری اور اہم ترین فتح اس طور سے حاصل کرلی ہے کہ پوپ کو بھی رام کرلیا ہے اور اس سے ایک فرمان جاری کروالیا ہے کہ یہودی خداوند یسوع مسیح کو صلیب دینے کے مجرم نہیں ہیں۔ اس طرح پوپ نے اس معاملہ میں یہودیوں کی براءت کا اعلان کردیا یعنی آج کے یہودی اس جرم میں شریک نہیں ہیں' یہ جرم حضرت مسیحؑ کے دور کے یہودیوں کا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرتے ہوئے اس اصول کو نظر انداز کردیا گیا کہ جو قوم اپنے اسلاف کے کسی عمل یا اقدام سے اعلانِ براءت نہ کرے' اسے disown نہ کرے وہ اس جرم کے اندر شریک مانی جائے گی۔ تو یہودیوں نے تو آج تک اسے disown نہیں کیا۔ لہٰذا چاہے وہ ان کے اسلاف تھے جنہوں نے دو ہزار سال پہلے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا' لیکن یہ تو سوچئے کہ جو قوم اپنے اسلاف کے اس جرم سے اعلانِ براءت نہیں کر رہی اس کی آپ نے کیسے براءت کردی؟

اور صرف یہی نہیں کیا۔ میں آپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو اس الزام سے بچانے کے لئے کس طرح تاریخ کو بھی مسخ کیا ہے۔ مجھے اپنے زمانۂ طالب علمی سے اناجیلِ اربعہ سے بڑی دلچسپی رہی ہے' خاص طور پر متی کی انجیل میں نے بہت شوق سے بار بار پڑھی ہے اور ایک زمانے میں میرے دروس میں اس کے حوالے بہت آیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں جبکہ میں لراچی میں تھا حضرت مسیحؑ کی زندگی پر مبنی ایک پکچر "KING OF KINGS" کے نام سے آئی۔ میں اگرچہ بارہ برس سے سینما دیکھنا چھوڑ چکا تھا اور جب سے اسلامی جمعیت طلبہ اور تحریک اسلامی کے ساتھ وابستگی ہوئی تھی میں نے یہ ساری چیزیں یکسر چھوڑ دی تھیں' لیکن چونکہ مجھے حضرت مسیح علیہ السلام اور اناجیل سے خصوصی دلچسپی تھی لہٰذا میں ضبط نہ کرسکا اور جاکر یہ فلم دیکھی۔ اس کے قریباً بیس سال بعد جب میں امریکہ گیا اور وہاں معلوم ہوا کہ یہاں پر تمام پرانی فلموں کے ویڈیو کیسٹ مل جاتے ہیں تو میں نے اس فلم کی خواہش ظاہر کی۔ اور جب اس کی ویڈیو منگوا کر دیکھی تو پتہ چلا کہ پوری کی پوری فلم ہی بدل دی گئی ہے۔ گویا تاریخ کو

مسخ کر دیا گیا۔ پورے کے پورے سین حذف کر دیئے گئے۔ مثلاً جہاں یہودی علماء نے اپنی عدالت کے اندر حضرت مسیحؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور ان کے سب سے بڑے عالم نے اپنے کپڑے پھاڑے، اپنے بال نوچ لئے اور کہا کہ اس نے کفر کیا ہے، اس کو فوراً لے جاؤ اور سولی پر چڑھا دو۔ اس طرح کے سین ہی حذف کر دیئے گئے۔ اسی طرح اُس وقت کے رومن گورنر نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اِس وقت میرے پاس دو مجرم قیدی ہیں، ایک براباڈا کو اور دوسرا یسوع --- براباڈا کو ہمارا مجرم ہے، اس نے سلطنت کے خلاف اقدام کیا ہے اور یسوع تمہارا مجرم ہے، اسے تمہاری مذہبی عدالت نے سزا دی ہے ---- ہماری عید کا دن آ گیا ہے اور اپنی رسم اور روایت کے مطابق مجھے ایک مجرم قیدی کو چھوڑنا ہے۔ بتاؤ کس کو چھوڑ دوں؟ تو یہودی علماء نے کہا: براباکو چھوڑ دو، اور ہمارے اس مجرم کو سولی پر چڑھاؤ۔ تب رومی گورنر نے پانی منگایا، ہاتھ دھوئے اور کہا: "I wash my hands of the blood of Jesus" کہ میں اپنے ہاتھ دھو رہا ہوں، یسوع کا خون میرے سر پر نہیں، تمہارے سر پر آئے گا۔

اور اس مسئلے کا جو ڈراپ سین ہوا ہے وہ بھی ملاحظہ کر لیں۔ ابھی حال ہی میں فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے مابین صلح کی جو گفتگو شروع ہوئی تھی اس ضمن میں واشنگٹن سے واپس آتے ہوئے اسحٰق رابین روم میں رکے اور پاپائے روم کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی، جس میں انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کا ایک جگ پوپ کو تحفے کے طور پر پیش کیا کہ تین ہزار برس تک ہم نے اس کی حفاظت کی ہے، اب اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ دوسری طرف اب ویٹی کان نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے اور اب یروشلم میں اس کا سفارت خانہ قائم ہونے والا ہے اور پاپائے روم بہت جلد یروشلم کا دورہ کرنے والے ہیں۔ یہ اب تک کی آخری فتح ہے کہ جو یہودیوں نے عیسائیت پر حاصل کی ہے۔ نتیجتاً اب صورت یہ بن گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے۔

اس کی پیشگی خبر بھی سورۃ المائدہ ہی میں دے دی گئی تھی: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ" یعنی "اے اہل ایمان، یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ! یہ آپس میں ایک دوسرے کے

دوست ہیں"۔ میں قبل ازیں ایک خطابِ جمعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اس آیۂ مبارکہ میں اُس وقت کے حالات کی تصویر کشی نہیں ہے' بلکہ اس کی حیثیت دراصل آج کے دور کے لئے پیشین گوئی کی ہے۔ اُس وقت تو یہ آپس میں دوست نہیں تھے۔ اس آیت میں قرآن حکیم یہ کہہ رہا ہے کہ بالآخران کا گٹھ جوڑ ہو جائے گا۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک اور انداز میں بھی پیش کیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (آیت ۱۱۲)

"لازم کر دی گئی ان پر ذلت جہاں بھی یہ پائے جائیں' سوائے اس کے کہ اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل جائے' یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر محتاجی اور مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا کفر کرتے رہے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے"۔

یعنی ان یہودیوں کے اوپر ذلت اور مسکنت مستقل طور پر تھوپ دی گئی ہے' الا یہ کہ کبھی اللہ تعالیٰ کے کسی وعدے کے نتیجے میں انہیں کوئی سہولت حاصل ہو جائے یا لوگوں کی حفاظت میں یہ زمین پر اپنے قدم جما سکیں ورنہ انہیں زمین پر کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ اور یہ "حَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ" کا ایک مظہر ہے کہ آج یہ یہودی جو پوری دنیا میں تعداد کے لحاظ سے صرف تیرہ چودہ ملین' یعنی ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہیں' اپنے بینکنگ کے نظام کے ذریعے سے پوری دنیا پر چھا گئے ہیں اور یہاں تک کہ امریکہ جیسی سپریم پاور کی رگِ جان ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے نتیجے میں اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ آج یہودی عیسائیوں کی سرپرستی میں اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اور اسلام کو ختم اور

مسلمانوں کو اپنا باجگزار بنانا چاہتے ہیں۔ اسی کو آج "نیو ورلڈ آرڈر" کا نام دیا جا رہا ہے جو درحقیقت "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ یہ سب کچھ بظاہر عیسائیوں کی سرپرستی میں ہو رہا ہے' لیکن بباطن درحقیقت عیسائی یہودیوں کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔

میرے نزدیک یہ ہے وہ اصل بات جو آج عیسائیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تمہارے ازلی دشمن یہودی آج تمہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ تم کس کے آلۂ کار بن گئے ہو اور کر کیا رہے ہو؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا' یہ ساری عالمی سازش یہودیوں کی ہے اور وہ درحقیقت عیسائیوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر انہیں استعمال کر رہے ہیں۔ اس موجودہ صورتحال کی طرف حضرت یوحنا کے مکاشفات میں واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔ انجیل کے آخری باب "REVELATION" میں یوحنا عارف کے مکاشفات کے ذیل میں ایک مکاشفہ درج کیا گیا ہے کہ

> "..... وہاں میں نے قرمزی رنگ کے حیوان پر جو کفر کے ناموں سے لپا ہوا تھا اور جس کے سات سر اور دس سینگ تھے ایک عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ عورت ارغوانی اور قرمزی لباس پہنے ہوئے اور سونے اور جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھی اور ایک سونے کا پیالہ مکروہات یعنی اس کی حرام کاری کی ناپاکیوں سے بھرا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا... اور میں نے اس عورت کو مقدس کا خون اور یسوع کے شہیدوں کا خون پینے سے متوالا دیکھا....."

اس مکاشفہ میں آگے چل کر اس حیوان اور اس کے دس سینگوں کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

> "..... اور وہ دس سینگ جو تو نے دیکھے دس بادشاہ ہیں۔ ابھی تک انہوں نے بادشاہی نہیں پائی مگر اس حیوان کے ساتھ گھڑی بھر کے واسطے بادشاہوں کا سا اختیار پائیں گے۔ ان سب کی ایک ہی رائے ہوگی اور وہ اپنی قدرت اور اختیار اس حیوان کو دے دیں گے....."

اس حیوان کی تمثیل آج کی ان مغربی قوتوں پر صادق آتی ہے جو اپنی زبردست جنگی صلاحیتوں کے ساتھ ایک خونخوار طاقت بن چکی ہیں--- اور اس حیوان کے اوپر سوار آبرو باختہ عورت درحقیقت یہودیت ہے۔

۸ ۔ عالمِ اسلام پر یہود کی ہولناک یورش کا آغاز

اِس وقت یہودی، عیسائی اور مسلمان معاملے کا آٹھواں دور شروع ہو چکا ہے، جس میں اب یہودی عیسائی دنیا کو آلۂ کار بنا کر عالمِ اسلام پر چڑھائی کر چکے ہیں۔ اور عالم عرب کو تو وہ فتح کر چکے ہیں۔ اب اس "جیو ورلڈ آرڈر" کے مقابلے میں ایران، افغانستان اور پاکستان پر مشتمل بلاک کو "آخری چٹان" کی حیثیت حاصل ہے۔۔۔ اور وہ ان تینوں ممالک کو الگ الگ تنہا (isolate) کر کے مارنا چاہتے ہیں۔ اِس وقت ان کی نظریں ایران پر لگی ہوئی ہیں کہ اسے الگ تھلگ کر کے اس کا بھرکس نکال دیا جائے جیسا کہ وہ عراق کا بھرکس نکال چکے ہیں۔ پھر اگلی باری ہماری ہے۔ جنرل اسلم بیگ صاحب جب ہمارے چیف آف آرمی سٹاف تھے اس وقت سے تسلسل سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ ان کا الگ ہدف پاکستان ہے۔ ابھی وقتی طور پر وہ اس بات پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ ہم نے اپنا ایٹمی پروگرام کیپ کر دیا ہے، لیکن وہ اس اندیشے میں مبتلا ہیں کہ ہم کسی وقت بھی اس کی ٹوپی اتار سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کو اُس وقت تک اطمینان حاصل نہ ہو گا جب تک وہ ہماری ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کر کے نہ رکھ دیں۔ لیکن ابھی ان کی ڈپلومیسی یہ ہے کہ پہلے ایران سے نمٹ لیں، اس لئے کہ وہ خلیج کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے، جو اسی کے نام پر خلیج فارس (Persian Gulf) کہلاتی ہے۔ وہاں پر تیل کے وسیع و عریض ذخائر موجود ہیں، لہٰذا وہ پہلے اس سے نمٹنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے بارے میں تو وہ جانتے ہیں کہ یہ تو ویسے بھی اپنی جیب میں ہے، لہٰذا اس سے جب چاہیں بعد میں بھی نمٹ سکتے ہیں اور رہی سہی کسر بھی پوری کر سکتے ہیں۔

عیسائیت کے عقائد کا یہودیت اور اسلام سے موازنہ

عیسائیوں کے لئے لمحۂ فکریہ

اب میں آپ کے سامنے اپنی وہ بات رکھنا چاہتا ہوں جو میں خاص طور پر عیسائیوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ انہیں سوچنا چاہئے کہ عقیدے کے لحاظ سے یہودی ان سے قریب تر ہیں یا ہم؟؟۔۔۔ میں ان شاء اللہ کبھی اس موضوع پر بھی گفتگو کروں گا کہ انجیل اور

تعلیماتِ نبوی ؐ میں کیا مماثلت ہے۔ انجیل اور احادیثِ نبوی ؐ کے مطالعے سے میرے سامنے یہ بات آئی ہے کہ ان دونوں میں گہری مماثلت ہے۔ پچھلے دنوں انگلستان سے ایک انگریز جوڑا آیا ہوا تھا' میاں بیوی دونوں پی ایچ ڈی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے انٹرویو لیا تو میں نے اس ضمن میں کچھ خیالات ان کے سامنے ظاہر کئے۔ اس پر وہ ایک دم چونک گئے اور پوچھا کہ آپ نے کبھی اس موضوع پر لکھا بھی ہے؟ میں نے کہا کہ لکھا نہیں ہے' لیکن اللہ موقع دے تو شاید لکھ دوں۔ لیکن فی الحال میرا خیال ہے کہ میں لاہور میں اپنے اگلے خطابِ جمعہ میں' ان شاء اللہ' اس موضوع پر گفتگو کروں گا کہ انجیل اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں کیا مماثلت ہے۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ قرآن اور انجیل میں مماثلت نہیں ہے جبکہ قرآن اور تورات میں مماثلت ہے اور انجیل اور احادیثِ نبوی ؐ میں بھی مماثلت ہے۔ بہرحال وہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اِس وقت میں اسلام اور عیسائیت کے عقائد میں مماثلت کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

i) ولادتِ مسیح ؑ

سب سے پہلے ولادتِ مسیح کا مسئلہ لیجئے۔ عیسائی مانتے ہیں کہ مسیح کی ولادت کنواری مریم سے بِن باپ کے ہوئی۔ یہی ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرت مسیح ؑ کی ولادت بغیر باپ کے' اللہ تعالیٰ کے خصوصی کلمۂ کُن سے ہوئی۔ سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں الفاظ آئے ہیں:
"اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ' اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ" یعنی "بیشک مسیح ؑ عیسیٰ ابن مریم' اللہ کا ایک رسول ہی تو تھا اور اس کا ایک فرمان تھا جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے"۔ تو ہمارا عقیدہ ان سے قریب تر ہے یا یہودیوں کا؟ یہودی تو سیدہ مریم (سلامٌ علیہا) پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) ولد الزنا اور حرامی (Bastard) قرار دیتے ہیں۔ تو ذرا سوچو تو سہی کہ کن کے جال میں پھنس رہے ہو؟ ان کی جرأتوں کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے امریکہ میں "SON OF MAN" کے نام سے ایک پکچر بنائی جس میں واشگاف الفاظ میں کہا گیا کہ

Jesus is not son of God ; he was son of man. He was not born without any father ; he had a father."

یہ پوری پکچر گویا "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کی عملی مصداق ہے۔ انہوں نے عیسائیت' خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیت کو جس طور سے فتح کیا ہے اس کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہو گا کہ اس کے گھر میں بیٹھ کر یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور ان کے خداوند یسوع مسیح کو گالی دے رہے ہیں کہ وہ حرامی تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ --- تو بھائی ذرا سوچو تو سہی کہ عقائد کے اعتبار سے تم کس کے قریب تر ہو؟

ii) شخصیتِ مسیحؑ

پھر جناب مسیحؑ کی شخصیت کو لیجئے۔ یہود کے نزدیک وہ مرتد' کافر' جادوگر اور واجب القتل۔ اس موقف میں انہوں نے آج تک کوئی ترمیم نہیں کی۔ اگر آج کے یہودی اس سے اعلانِ براءت کر لیتے تو بات اور تھی۔ اس صورت میں کہا جا سکتا تھا کہ اب ان کی ان نسلوں کو تو بہرحال ان کے اسلاف کے جرائم کی سزا نہیں دی جانی چاہئے۔ لیکن ان کا موقف بھی بعینہٖ یہی ہے کہ یسوع جادوگر تھا لہٰذا کافر تھا' اور چونکہ کافر تھا لہٰذا مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہے۔ یہ علماءِ یہود کا فتویٰ ہے۔ اس کے برعکس ہمارے نزدیک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ قرآن مجید نے خود حضرت مسیحؑ کی زبانی آنجنابؑ کی کیا خوبصورت مدح بیان کی ہے :

"وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ○ ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ"

"اور سلام ہے مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں --- یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریم"۔

حضرت مسیحؑ نے جبکہ وہ ابھی گود ہی میں تھے' لوگوں سے یہ گفتگو کی تھی۔ یہ ہمارا بھی عقیدہ ہے اور حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں کا بھی۔ حضرت مسیحؑ کے عظیم ترین معجزات کو ہم بھی مانتے ہیں' وہ بھی مانتے ہیں۔ اس کے برعکس یہودی آپؑ کے معجزات کو جادوگری قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا مسیحیوں کو سوچنا چاہئے' غور کرنا چاہئے۔ انہوں نے کیوں آنکھیں بند کر لی

ہیں' کیوں کان بند کر لئے ہیں؟ یہ کن کے آلۂ کار بن گئے ہیں؟ انہیں دوست اور دشمن کو پہچاننا چاہئے۔

iii) رفعِ مسیحؑ

پھر رفعِ مسیح کا معاملہ لیجئے۔ یہودی تو کہتے ہیں کہ مسیح مر گیا تھا' اسے ہم نے سولی پر چڑھا دیا تھا۔ قرآن حکیم میں ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: "اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ" "کہ ہم نے مسیح' عیسیٰ ابن مریم' رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے"۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے' زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے' صرف اس فرق کے ساتھ کہ ان کے نزدیک مسیحؑ صلیب دیئے گئے' پھر زندہ ہو کر آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ ہمارے نزدیک صلیب دیئے جانے کا سوال ہی نہیں' کیونکہ اللہ کا رسول کبھی صلیب نہیں دیا جا سکتا۔ نبی تو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے: "کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی" یعنی "اللہ نے یہ بات مقرر فرما دی ہے کہ میں اور میرے رسول لازماً غالب رہیں گے"۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں یہود کے قتلِ مسیحؑ کے دعوے کو نقل کرنے کے فوراً بعد دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا: "وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ" یعنی "حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا"۔ ان کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا۔ اور اس غلط فہمی کی وضاحت انجیل برنباس میں ہے کہ حقیقت میں وہی یہودا اسکریوتی جو آنجنابؑ کے حواریین میں شامل تھا اور جس نے سونے کی تیس اشرفیوں کے بدلے مخبری کر کے آپؑ کو گرفتار کروایا تھا اس کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بنا دی گئی اور اسے آپؑ کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ "وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ" کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اپنے خیال میں مسیح کو مصلوب کر رہے تھے لیکن درحقیقت اس بدبخت کو سولی پر چڑھا رہے تھے جس نے کہ غداری کی تھی اور تیس اشرفیوں کے عوض اپنے خداوند یسوع مسیحؑ کو فروخت کر دیا تھا۔ اسے یہودی عدالت سے اس غداری کے انعام میں تیس اشرفیاں ملی تھیں۔ انجیل برنباس میں مزید تصریح ملتی ہے کہ آسمان سے چار فرشتے

اترے، جو چھت پھاڑ کر اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں حضرت مسیحؑ عبادت کر رہے تھے اور انہیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ تفصیلات کسی حدیث میں ہیں نہ کسی تفسیر میں، جو برنباس کی انجیل میں مذکور ہیں۔ اسے عیسائی بھی انجیل تو مانتے ہیں لیکن ان کے نزدیک یہ "CANONICAL" یعنی مستند اور قابل اعتبار نہیں ہے۔ ۱۰۴ انجیلوں میں سے ان کے نزدیک صرف چار مستند اور قابل اعتماد ہیں۔ بہرحال ہماری رائے بھی یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور ان کی رائے بھی یہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ سولی دیئے ہی نہیں گئے، بلکہ ان کی جگہ پر کسی اور کو سولی چڑھایا گیا جبکہ انکے نزدیک وہ سولی دیئے گئے، پھر ان کا "resurrection" ہوا۔ یعنی پھر زندہ ہو گئے اور اس کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے۔ لیکن یہودی تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے انہیں قتل کر دیا، ختم کر دیا۔

iv) نزولِ مسیحؑ

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ آمد (Second Coming of Jesus) کا معاملہ لیجئے۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں اور وہ بھی قائل ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ وہی عیسیٰؑ ابن مریم قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور وہ بھی یہی مانتے ہیں۔ چنانچہ یہ چار عقیدے ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہیں، جبکہ ان چاروں میں یہودی ان سے مختلف ہی نہیں، ان کے متضاد عقائد رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں پھر یہ کہہ رہا ہوں کہ عیسائیوں کو دوست دشمن کی پہچان ہونی چاہئے۔

v) مسیح دجال کی آمد

ایک بات مزید نوٹ کر لیجئے۔ ہمارے نزدیک بھی نزول مسیحؑ سے قبل ایک مسیح الدجال آنے والا ہے، ان کے نزدیک بھی Anti-Christ آنے والا ہے۔ اور یہودیوں کی عیاری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے عیسائیوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ "انٹی کرائسٹ" مسلمانوں میں سے ہو گا۔ حالانکہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ

مسلمان تو مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ انٹی کرائسٹ (مسیح الدجال) درحقیقت ایک یہودی ہوگا اور میں تاریخ سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہی ہوگا' اس لئے کہ یہودی ایک "مسیح" کے منتظر تھے' لیکن حضرت مسیحؑ آئے تو ان کو مانا نہیں' لہٰذا ان کے نزدیک مسیح کی جگہ ابھی خالی ہے اور یہ اپنے اس مسیح کے منتظر ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے کوئی یہودی کھڑا ہو کر مسیح ہونے کا دعویٰ کر دے گا۔ جیسا کہ سولہویں صدی عیسوی میں یہودیوں کو ایک شخص کے بارے میں یقینِ کامل ہو گیا تھا کہ یہی مسیح ہے اور یہ اب اعلان کرنے والا ہے۔ لیکن سلطنتِ عثمانیہ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا' جہاں وہ مسلمان ہو گیا اور یہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اس ضمن میں "History of God" بڑی اہم کتاب ہے جو اس دور میں چھپی ہے۔ اس کی مصنفہ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد یہودیوں کی پوری تاریخ میں اس شخص سے زیادہ محبوب اور ہردلعزیز شخصیت نہیں گزری ہے۔ پھر حال ہی میں ایک اور شخص کا امریکہ میں انتقال ہوا ہے جس کے بارے میں انہیں امید تھی کہ یہ مسیح ہے اور اعلان کرنے والا ہے' لیکن وہ مر گیا۔ بہرحال حضرت مسیحؑ کی دوبارہ آمد سے قبل ایک جھوٹا مسیح' فریبی مسیح' مسیح الدجال (Anti-Christ) لازماً آئے گا اور وہ یقیناً یہود میں سے ہوگا۔ اس کی آمد وہ پانچواں نقطہ ہے جو ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان مشترک ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عیسائی دنیا کو یہودیوں نے یہ بات باور کرا دی ہے کہ وہ مسلمان ہوگا۔

پاکستانی عیسائی "دیسی یہودیت" سے بھی خبردار رہیں!

اب میں ایک خاص بات اضافی طور پر پاکستانی عیسائیوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ عالمی سطح پر جو یہودی سازش چل رہی ہے وہ تو اب الم نشرح ہو چکی ہے' اس پر کتابیں بھی آ چکی ہیں' جنہیں دلچسپی ہو وہ "Pawns in the Game" جیسی کتابوں کا مطالعہ کر لیں۔ اب تو ان کا "Order of Illuminati" بھی پورے کا پورا طشت از بام ہو چکا ہے۔ اور اب یہودیوں کو ان چیزوں کے افشاء سے کوئی اندیشہ بھی نہیں ہے' اس لئے کہ وہ اپنے سارے مقاصد حاصل کر چکے ہیں۔ صیہونیت نے عالم عیسائیت کو اپنے پھندے میں گرفتار کر

کے اسے اپنا آلۂ کار بنالیا ہے اور اب اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ خاص طور پر پاکستان میں ایک اور معاملہ بھی ہے۔ عالمی صیونیت (World Zionism) کے علاوہ ایک پاکستان کی دیسی یہودیت (Indigenous Zionism) بھی ہے جس سے میں پاکستانی مسیحیوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد قادیانیت سے ہے اور جہاں تک میری معلومات ہیں یہ قادیانی پاکستانی مسیحیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ خود تو سامنے آ نہیں سکتے' کیونکہ ملکی قانون ان کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگرچہ درپردہ ان کی تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری ہیں' کنونشن بھی منعقد ہوتے ہیں' سٹیلائٹ کے ذریعے سے خطبات بھی آ رہے ہیں' لیکن اس سب کے باوجود قادیانی برملا طور پر کھلم کھلا سامنے نہیں آسکتے' لہٰذا اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انہیں کسی کور (Cover) کی ضرورت ہے' اور اپنی یہ ضرورت پوری کرنے کے لئے انہوں نے یہاں کے عیسائیوں کو ورغلایا ہے۔ لہٰذا مجھے پاکستانی مسیحیوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں وہ عالمی یہودی سازش کا آلۂ کار بننے سے بچیں' وہیں اس "دیسی یہودیت" سے بھی خبردار رہیں۔ اس کے بارے میں بھی انہیں صحیح صحیح معلومات ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ذرا ان کے ساتھ بھی اپنے عقائد کا موازنہ کریں تو اندازہ ہو کہ اختلاف کس درجے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے برعکس قادیانی بھی حضرت مسیحؑ کی بغیرباپ کے ولادت کے قائل نہیں ہیں' لہٰذا وہ یہودیوں کے قریب تر ہو گئے یا نہیں؟ محمد حسین نامی ایک شخص جو بہت عرصے تک لاہوری مرزائیوں کے انگریزی پرچے "The Lgiht" کا ایڈیٹر رہا تھا' مرزائیت سے منحرف ہو گیا تھا۔ بقول اس کے وہ لاہوریت اور قادیانیت دونوں سے اعلانِ براءت کر چکا تھا۔ وہ شخص میرے دروس میں بڑے شوق سے بیٹھا کرتا تھا اور میرے لئے وہی القابات استعمال کرتا تھا جو یہ لوگ اپنے بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں استعمال کرتے ہیں۔ میرے پاس اس کی وہ کتاب بھی موجود ہے جس میں اس نے میرے لئے وہ القابات لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اس شخص نے جب میرا سورۂ مریم کا درس سنا جس میں مَیں نے یہ الفاظ استعمال کئے کہ جو شخص بھی اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت بغیرباپ کے ہوئی ہے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا' تو اس دن کے بعد وہ میرے درس میں نہیں آیا اور

صرف یہی نہیں بلکہ اس نے میرے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا' پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کئے اور میرے خلاف سازشیں شروع کر دیں' حالانکہ کہنے کو وہ قادیانیت سے تائب ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس معاملے میں قادیانیوں کے عقیدے پر قائم تھا۔ اس لئے کہ وہ اگرچہ بشیر الدین محمود سے تو بہت نالاں تھا لیکن حکیم نور الدین کا بہت معتقد تھا اور حکیم نور الدین کی رائے یہ ہے کہ مسیح کی پیدائش بن باپ کے نہیں ہوئی۔ پھر قادیانی یہودیوں کی طرح حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے بھی قائل نہیں ہیں' بلکہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح وہاں سے بھاگ کر یہاں کشمیر آیا اور یہاں مر گیا اور دفن ہو گیا۔ ان کے نزدیک یہاں اس کی قبر بھی موجود ہے۔ تو کون تم سے قریب تر ہے؟ غور کرو' سوچو کہ کس کے ہتھکنڈوں میں آ رہے ہو! قادیانیوں کا یہ موقف قرآن کے فلسفہ کے سراسر خلاف ہے۔ میں اس اعتبار سے اس پر تنقید کروں گا تو بات زیادہ طویل ہو جائے گی۔ بہرحال مختصراً جان لیجئے کہ کوئی رسول جان بچا کر نہیں بھاگا کرتا۔ البتہ ہجرت ہو سکتی ہے۔ لیکن رسول کی ہجرت کے بعد یا تو پوری قوم ہلاک کر دی جاتی ہے یا رسول کو ان کے اوپر فتح حاصل ہوتی ہے' غلبہ نصیب ہوتا ہے' جیسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو مکہ پر فتح حاصل ہوئی اور حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن جن رسولوں نے بھی ہجرت کی ان کی قومیں ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ کی سنت تو یہ ہے۔ اس کے برعکس یہ کہنا کہ مسیح وہاں سے جان بچا کر بھاگ کر آ گئے اور یہاں گمنامی میں ان کی موت واقع ہو گئی سراسر غلط ہے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ اللہ کے کسی رسول کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو گی!

تیسری بات یہ کہ قادیانی حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کی طرح ان کی دوبارہ آمد کے بھی منکر ہیں۔ اس ضمن میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل میں تو مثیلِ مسیح کو دنیا میں آنا تھا اور وہ آ گیا مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں۔ تو اگر تمہارے قول کے مطابق مسیح دجال اور انٹی کرائسٹ بنتا ہے تو وہ مرزا قادیانی آنجہانی بنتا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ لیکن عیسائیوں کا انہی کے ہتھکنڈوں کے اندر آ جانا اور انہی کے آلۂ کار بن جانا کس قدر قابل تعجب بات ہے! اس پر مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

یعنی شکار خود یہ چاہے کہ مجھے شکار کرلیا جائے۔

دراصل اس دیسی یہودیت یا ہندی یہودیت کو ملکِ خداداد پاکستان سے اس لئے بغض وعداوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملتِ اسلامیہ پاکستان کو توفیق عطا فرمائی کہ اس نے علماء کے اجماع (Consensus) کے ساتھ، قانون اور دستور کے تمام تقاضے پورے کر کے دستوری طور پر ان کی تکفیر کی۔ اور ایسا نہیں ہوا کہ ان کی بات نہ سنی گئی ہو۔ مرزا ناصر احمد کو قومی اسمبلی میں بلا کر پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے موقف کا پوری طرح دفاع کرے۔ اس نے برملا کہا کہ ہم مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ اس کے بعد پوری اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ اس موقف پر قائم ہیں تو دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ لہٰذا وہ ہم سے اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور اس کے لئے یہاں کے مسیحیوں کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔ اب ہمارے یہاں کے عیسائی بھائیوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس کے خلاف کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں؟ ہم تو خود منتظر ہیں حضرت مسیحؑ کے اور وہ حضرت مسیحؑ ابن مریم ہوں گے، کوئی مثیل مسیح نہیں۔ قادیانیت کے اسی شوشے کی علامہ اقبال نے "ابلیس کی مجلس شوریٰ" نامی نظم میں اس طرح تعبیر کی ہے۔

آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟

یہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ فرزندِ مریم کی صفات کا حامل مجدد یہ غلام احمد آگیا ہے، بس اب کسی اور مسیح کو نہیں آنا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ، جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ، عیسیٰ ابن مریم، دوبارہ بنفس نفیس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ البتہ ان کے نزول سے قبل یہودیوں میں سے ایک مسیح دجال کھڑا ہوگا جسے حضرت مسیحؑ اپنے ہاتھوں سے شامِ "لُد" پر قتل کریں گے۔ (واضح رہے کہ "لِڈا" اسرائیل کا سب سے بڑا ایئرپورٹ ہے) اس وقت عالمِ اسلام کے لیڈر حضرت مہدی ہوں گے۔ میری مراد شیعوں والے مہدی یعنی ان کے بارہویں امام نہیں ہیں، جو کسی غار کے اندر روپوش ہیں اور کبھی ظاہر ہوں گے، بلکہ

وہ عالمِ اسلام کے ایک عظیم قائد ہوں گے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے پیدا ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اب تک پیدا ہو چکے ہوں' اس لئے کہ حالات تو بڑے قریب آ چکے ہیں' اس حوالے سے کیا پتہ کہ کوئی دن کی بات ہو کہ ان کی طرف سے دعویٰ سامنے آ جائے جس کی پوری تفاصیل احادیث میں موجود ہیں۔ اس مہدی کی نصرت کے لئے ایک تو زمینی مدد جائے گی اور ایک آسمانی مدد آئے گی۔ زمینی مدد مشرق کے ممالک یعنی پاکستان اور افغانستان کی طرف سے جائے گی اور آسمانی مدد حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم کی صورت میں نازل ہو گی۔ مسیح ابن مریم مہدی کی مدد کریں گے جس کے نتیجے میں دنیا سے یہودیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد اسلام اور عیسائیت ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے اور صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ حضرت مسیح آ کر مسیحیوں کو بتائیں گے کہ مجھے سولی نہیں دی گئی' تم کہاں عقیدۂ صلیب لے کر بیٹھے ہو۔ (فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ : پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے) تمہارا خیال غلط ہے کہ مجھے صلیب دی گئی۔ بات وہ صحیح ہے کہ جو برناباس نے کہی۔ (وَيَقْتُلُ الْخِنزِيرَ : اور خنزیر کو قتل کر دیں گے) اپنے نام لیواؤں سے کہیں گے کہ تم نے خنزیر کا کھانا اپنے لئے حلال کر لیا تھا' آج اس کو ختم کیا جاتا ہے۔ شریعتِ موسوی میں تو خنزیر حرام ہی تھا۔ لہٰذا جب یہ چیزیں ختم ہو جائیں گی تو عیسائیت اسلام ہی کی شکل اختیار کر لے گی اور پھر پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا۔

تو مسیحی بھائیو! یہ ہیں ہمارے عقائد! آپ ہمارے پورے عقائد چاہے نہ مانیں' لیکن آج کی میری گفتگو کے حوالے سے اس پر غور تو کریں کہ آپ کے عقیدے سے قریب ترین کون ہے: یہودی یا مسلمان؟ اور قادیانی یا مسلمان؟؟ کم سے کم اتنا تقابلی جائزہ تو ہر شخص لے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ حقائق کو دیکھیں اور جو ریشہ دوانیاں اور سازشیں ہیں ان کی حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو سکیں --- آمین!

أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ
وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ ○○

ذکرِ الٰہی اور اشغال کی چند حکمتیں

افتخار احمد بلخی

ذکر یاد کرنے اور یاد رکھنے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ جب بغیر کسی طرف نسبت اور اضافت کے بولا جاتا ہے تو عام طور پر اس سے مراد اللہ کو یاد کرنا اور یاد رکھنا ہوتی ہے گویا تنہا ذکر کا لفظ استعمال کیا جائے یا ذکرِ الٰہی اور ذکر اللہ کے فقرے استعمال کئے جائیں' دونوں اپنی مراد اور اپنے مفاد کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ اور اشغال ان طریقوں اور ان کاموں کو کہتے ہیں جو اللہ کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لئے کئے جاتے ہیں' مثلاً ان ماثور دعاؤں کو اکثر و بیشتر پڑھتے رہنا جن کی تعلیم قرآن اور حدیث و سنت نے دی ہے یا وہ اوراد و وظائف جو مختلف اوقات میں پڑھے جاتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اشغال کا مقصد' اللہ کو یاد کرنا اور اللہ کو یاد رکھنا ہے' اور ان کی حیثیت اس ذریعہ اور وسیلہ کی ہے' جس سے یہ مقصد' یعنی ذکرِ الٰہی حاصل ہوتا ہے' لہٰذا اس موقع پر حکمتوں سے متعلق گفتگو کرنے میں بنیادی حیثیت ان حکمتوں کو حاصل ہے' جن کی بنا پر ذکر اللہ کی تعلیم و تاکید کی گئی ہے۔ رہے اشغال تو وہ چونکہ طریقہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں' اس لئے ان کی اصل حکمت تو محض یہ ہے کہ انسان اللہ کو یاد کرے اور یاد رکھے' اس کے بعد یہ بات ثانوی اور ضمنی حیثیت رکھتی ہے کہ خاص اوقات میں اوراد و وظائف اور ان اوراد و وظائف کے لئے کچھ مخصوص قسم کے الفاظ کے انتخاب اور کچھ خاص قسم کے طریقوں اور کچھ خاص قسم کی نشستوں اور ہیئتوں کو اختیار کرنے میں بجائے خود کیا حکمتیں ہیں۔ لہٰذا یہاں اس ثانوی اور ضمنی حیثیت رکھنے والی شے (اشغال) کی حکمتوں کے بارے میں ہم بالفعل گفتگو نہیں کریں گے' البتہ ایک اہم بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی کے طریقوں سے متعلق ایک موقع پر قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۲۳۹) یعنی "پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے"۔ اس آیتِ کریمہ کے جملہ "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ" سے مراد ادائیگی نماز لی جاتی ہے، لیکن نماز کی اصل حقیقت چونکہ ذکر ہی ہے، اس لئے اس سے کم از کم یہ تعلیم تو مستفاد ہی ہوتی ہے کہ بجائے خود ذکرِ الٰہی کے لئے کچھ خود ساختہ قسم کے طریقوں اور ا طور پر مقرر کردہ کچھ خاص قسم کی نشستوں اور ہیئتوں کے اہتمام کی قرآن کی نظر میں اول و کوئی گنجائش ہی نہیں، تاہم کھینچ تان کر اگر کوئی گنجائش نکال بھی لی جائے تو بھی یہ ناپسندیدہ ضرور ہے۔ اور ذکرِ الٰہی کا پسندیدہ طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم قرآن و سنت میں دی گئی ہے (كَمَا عَلَّمَكُمْ) اسی طرح ایک جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّالِّينَ (البقرہ : ۱۹۸) یعنی "اور اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اللہ نے تم کو ہدایت کی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ گمراہوں میں تھے"۔ اس آیت کا تعلق اگرچہ وقوفِ مزدلفہ سے ہے، لیکن اس سے اس بات پر روشنی بہرحال پڑتی ہے کہ ذکرِ الٰہی کا وہی طریقہ معتبر ہے جو ہدایتِ الٰہی کی سند رکھتا ہو (كَمَا هَدٰىكُمْ) اور اس سے ہٹ کر اپنے طور پر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا روا نہیں، کیونکہ ذکرِ الٰہی کے لئے کسی خود ساختہ طریقے پر عمل کرنے کی روش کہیں "لَمِنَ الضَّالِّينَ" کے خطرے سے دوچار نہ کردے۔ یہاں یہ ایک نکتہ قابل لحاظ ہے کہ اول الذکر آیت کریمہ میں "مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" (جس سے تم پہلے ناواقف تھے) کا جملہ ہے اور ثانی الذکر آیت میں "وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّالِّينَ" (اس سے پہلے تم گمراہوں میں تھے) کا جملہ ہے۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ادائیگی نماز کا طریقہ سرے سے معلوم نہ تھا، اس لئے "مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" ارشاد ہوا اور مزدلفہ میں ذکرِ الٰہی کے لئے یا ذکرِ الٰہی کے نام سے کچھ خود ساختہ طریقے اختیار کر لئے گئے تھے، یعنی ہوتا تو ذکرِ الٰہی تھا یا مقصود تو ذکرِ الٰہی تھا، مگر طریقے خود ساختہ تھے، اس لئے ارشاد ہوا "وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّالِّينَ"

رہیں ذکرِ الٰہی سے متعلق کچھ حکمتیں، تو ان کے بیان سے پہلے یہ مناسب ہے کہ مختصر

طور پر اس کی اہمیت اور اس کے کچھ فضائل پر روشنی ڈال دی جائے۔ تو اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے قرآن حکیم کی وہ تصریحات آتی ہیں' جن کا تعلق ذکر اللہ کے مطالبے سے ہے' مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" یعنی ارشادِ الٰہی ہے کہ "تم مجھے یاد رکھا کرو' میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔ سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے کہ "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ" یعنی "اپنے رب کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرو"۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا ہے کہ "اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا" یعنی "اللہ کو بہت بہت یاد کرو" اور سورۂ آل عمران میں اللہ کے خاص بندوں کے اوصاف میں یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ "الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ" یعنی "جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد رکھتے ہیں"۔

یہاں ضمناً ایک خاص نکتے کی طرف بھی اشارہ کر دینا شاید مفید ہو' وہ یہ کہ سورۂ احزاب والی مذکورہ آیت میں یہ تعلیم و مطالبہ تھا کہ اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو اور یاد رکھو' اس بنا پر ایک مسلمان سے یہی توقع ہو گی کہ وہ اللہ کو بہت زیادہ یاد کرے اور یاد رکھے گا' لہٰذا یہ بات قرآن کی نظر میں گویا ایک تسلیم شدہ حقیقت قرار پاتی ہے کہ ایک مسلمان کی یہی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرتا اور یاد رکھتا ہے' اور اسی مسلّمہ حقیقت کی بنا پر سورۂ آل عمران والی مذکورہ آیت میں صحیح معنوں میں ایک مسلمان کی جو متوقع ایک صفت یا شان ہونی چاہئے' اسے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس منافقین کی جو روش ہوتی ہے' اس کا تذکرہ سورۂ نساء میں اس طرح کیا گیا ہے کہ "وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا" یعنی "یہ منافقین اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو بہت کم"۔

قرآن حکیم کے بعد اب ان چند احادیث و روایات اور آثار پر نظر ڈال لینی چاہئے جو ذکر اللہ کی اہمیت اور اس کے فضائل میں منقول ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ایک حدیثِ قدسی ملاحظہ ہو' جو مستدرک میں ہے۔

يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ

شَفَاهُ بِی

"(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہوں' جب تک وہ میرے ذکر میں مشغول رہتا ہے اور جب تک اس کے ہونٹ میری یاد سے متحرک رہتے ہیں"۔

طبرانی کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ :

"جو شخص جنت کے باغ کی عطر بیزیوں اور اس کے پھلوں سے بہرمند ہونا چاہتا ہے' تو اسے چاہئے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے"۔

اسی طرح ایک حدیث شاہ ولی اللہؒ نے اپنی "حجۃ اللّٰہ البالغۃ" میں نقل کی ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ :

"جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا رہے' اور اس میں اللہ کی یاد سے غافل رہے' وہ مجلس اس کے حق میں ہلاکت اور خسران ہے' اور جو شخص لیٹا رہے اور اس حالت میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے حق میں ہلاکت اور خسران ہے"۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین عمل کونسا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُکَ رَطْبٌ بِذِکْرِ اللّٰہِ" (طبرانی و بیہقی) یعنی "یہ کہ تمہاری موت اس حال میں ہو کہ تم اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو"۔ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ایک روایت ہے کہ :

"جب کوئی گروہ کسی ایسے اجتماع کا اہتمام کرتا ہے' جس میں اللہ کا ذکر صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر مقصود ہوتا ہے' تو آسمان کا ایک منادی انہیں بشارت دیتا ہے کہ جاؤ' تمہاری لغزشیں نیکیوں سے بدل دی گئیں"۔

یہی وجہ ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا ایک روایت سے تعلیم ملتی ہے کہ ایسی مجلس اور ایسا اجتماع جو ذکر اللہ سے خالی ہو اور اس کے شرکاء اِدھر اُدھر کی گپیں اور محض دنیا کے دھندوں کی باتیں کر کے اٹھ کھڑے ہوں' وہ مجلس ایسے لوگوں کے حق میں ہلاکت و خسران ہے' نہ صرف یہ کہ مذکورہ ایک روایت سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے' بلکہ ایک حدیث میں وضاحت اور تصریح کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ :

"جو لوگ کسی مجلس میں جمع ہوں اور باتیں کر کے یوں ہی اٹھ کھڑے ہوں' اور اللہ

کا ذکر نہ کرلیں' تو ان کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی جماعت مردار گدھے کے پاس سے اٹھ کھڑی ہو اور یہ مجلس ان لوگوں کے حق میں حسرت کا موجب ہوگی"۔

اسی لئے وہ مجالس جو مختلف ضرورتوں سے منعقد ہوتی رہتی ہیں' ان کے اختتام پر ایک خاص دعا کی تلقین کی گئی ہے تاکہ شرکائے مجلس وہ دعا اور استغفار پڑھتے ہوئے مجلس برخاست کریں اور وہ مجلس ذکر اللہ سے خالی نہ رہے۔ ذکر کی اسی اہمیت اور اس کے انہی فضائل کی بنا پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے کہ

"اہل جنت کو بجز اس کے اور کسی چیز پر افسوس نہ ہوگا کہ کچھ لمحات یوں ہی غفلت کی نذر ہو گئے اور کچھ ساعتیں ایسی بسر ہو گئیں جن میں وہ ذکر اللہ سے محروم رہے"۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ نے ذکرِ الٰہی کو ایک موقع پر "میراثِ رسول ﷺ" سے تعبیر کیا تھا' جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ ایک دن اتفاق سے جو بازار میں جا نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خرید و فروخت کرنے والوں کی ریل پیل ہے اور لوگ بس اسی دھن میں لگے ہوئے ہیں' یہ نقشہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ "لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم یہاں کاروبار میں منہمک اور مشغول ہو اور مسجدِ نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے' جاؤ اور اپنا حصہ حاصل کرو"۔ یہ سن کر کچھ لوگ مسجد نبوی میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو کوئی بھی دولت و ثروت کی تقسیم میں مصروف نہیں ہے' البتہ ایک حلقہ ہے ذکر کرنے والوں کا' جو ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن میں مصروف ہے۔

اب ہم مختصر طور پر وہ حکمتیں بیان کرنا چاہتے ہیں' جن کی بنا پر ذکر اللہ کا قرآن و حدیث میں اتنی تاکید کے ساتھ مطالبہ کیا گیا ہے اور جن کی بنا پر ذکرِ الٰہی کی وہ اہمیت اور اس کے وہ فضائل ہیں' جن کا اختصار کے ساتھ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے جو حکمت آتی ہے' وہ قرآن حکیم کی اس آیت سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے' جس میں ارشاد ہوا ہے کہ "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ" (طٰہٰ : ۱۴) یعنی ارشاد الٰہی ہے کہ "نماز مجھے یاد رکھنے کے لئے قائم کرو"۔ یہ آیت جس طرح یہ درس دے رہی ہے کہ ذکر اللہ کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کی خاطر ایک مستقل عبادت' یعنی نماز فرض کی حیثیت سے عائد کی گئی اور جسے اسلام کا ایک

رکن قرار دیا گیا' اسی طرح اس حکمت کی طرف بھی رہنمائی کر رہی ہے جو ذکر اللہ میں مضمر ہے اور وہ حکمت ہے فحشاء اور منکر سے انسان کا رُکا رہنا' کیونکہ نماز کے فائدے سے متعلق دوسرے لفظوں میں اس کے مشروع ہونے کی حکمت سے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ" یعنی "نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے۔ نماز فحشاء اور منکر سے کس طرح روکتی ہے؟ اس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں' کیونکہ چند سطروں میں یہ صورت حال باآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ پنج وقتہ نماز کی گردش' وقفہ وقفہ سے انسان کو دربارِ الٰہی میں لے جاتی ہے' لہٰذا جب انسان کا قدم کسی معصیت کے لئے اٹھتا ہے تو اس کا دل فوراً خبردار کرتا ہے کہ ابھی تجھے اللہ کے دربار میں حاضری دینی ہے' اس معصیت کا ارتکاب کرکے تو کس منہ سے دربارِ الٰہی میں جائے گا' جب کہ ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے ہیں تُو اللہ کے حضور توبہ و استغفار کرکے نیک عملی اور احکامِ الٰہی کی تعمیل کا عہد کر چکا ہے۔ یوں شب و روز کے چکر میں نماز کے جو اوقات آتے رہتے ہیں' وہ انسان کا اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ سمجھ بوجھ اور بیدار ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے لئے فحشاء اور منکر کی راہ گویا مسدود ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ راہ اس لئے مسدود ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ یاد رہتا ہے' اللہ کے غیر محدود علم اور اللہ کی غیر محدود قدرت کا تصور قائم رہتا ہے اور جہاں وہ کسی معصیت کی طرف بڑھتے ہیں' فوراً انہیں اللہ کی گرفت کا خیال آجاتا ہے' فوراً انہیں آخرت میں جواب دہی کا خیال دامن گیر ہو جاتا ہے' اگرچہ جرم و معصیت کے لئے اٹھنے والا قدم خلوت اور جنگل کی تنہائی اور تاریک رات کے سناٹے ہی میں کیوں نہ اٹھ رہا ہو۔

اب پوری آیت پیش نظر رکھئے اور دیکھئے کہ کس طرح ہر لاحقہ اپنے سابقہ سے پیوستہ ہے:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ' اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ' وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (العنکبوت : ۴۵)

"(اے رسول) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے' اس کی تلاوت کرتے رہو

اور نماز قائم رکھو' بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے' اور اللہ کی یاد بہت بڑی (نعمت) ہے"

تلاوتِ کتاب بجائے خود ایک ذکرِ الٰہی ہے اور اس ذکر الٰہی (تلاوت کتاب) کو گویا ایک ایسے دائرے کی شکل دی گئی جو لیل و نہار کو گھیرے ہوئے ہے' یعنی نمازِ پنجگانہ فرض کی گئی ہے اور کون نہیں جانتا کہ نماز کا ایک رکن قراءتِ قرآن ہے' پھر نماز کی یہ ایک حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ اس کے بعد گویا علت اور سبب کے طور پر ارشاد ہوا کہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ انسانیت اور انسانی عظمت و فضیلت اور معاشرے کا خیر و برکت کا گہوارہ بنا رہنا اور جرم و معصیت سے فرد اور معاشرے کا پاک رہنا' سب کچھ ذکر اللہ کے طفیل ہے' تو پھر یہ (ذکر الٰہی) ایک بہت بڑی نعمتِ خداوندی کیوں نہ ہوگی۔

قرآن مجید میں اس کی بکثرت مثالیں ملیں گی کہ اسم تفضیل کی تمیز محذوف کر دی گئی ہے جو قرینے سے سمجھی جاتی ہے' اس لئے "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" میں لفظ "اکبر" جو اسم تفضیل ہے' ترجمہ میں اس کی تمیز کو ظاہر کرنے کے لئے قوسین میں "نعمت" کا لفظ لکھا گیا ہے اور اس طرح بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور بہت بڑا (سہارا) ہے"۔ یعنی "اکبر" کی تمیز کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ "سہارا" استعمال کیا جائے۔

پھر ذکر اللہ اس جہت سے بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے کہ اس کی بدولت اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اور اسے بجائے خود ذکر الٰہی کی ایک حکمت کی حیثیت حاصل ہے' اور یہ حکمت قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتی ہے کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی "سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے قلوب اطمینان پاتے ہیں"۔ اس کے برخلاف ذکر الٰہی سے غفلت و اعراض کے نتیجے میں اطمینان قلب رخصت ہو جاتا ہے اور اضطراب و بے چینی اور گھٹن مستقل طور سے قلب پر طاری رہتی ہے' اور پوری زندگی ضیق میں گزرتی ہے۔

یہی نہیں کہ اطمینان قلب سے محرومی دنیوی زندگی ہی کو عذاب بنائے رکھتی ہے بلکہ اخروی زندگی کو بھی بھیانک تاریکیوں سے دوچار کر دینے کا سبب بنتی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ○ (طٰہٰ : ۱۲۴)

"(یعنی' ارشاد الٰہی یہ ہے کہ) اور جو میرے ذکر (و نصیحت) سے اعراض کرے گا' اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی' اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے"۔

اس آیت کریمہ میں جو یہ جملہ ہے کہ "وَنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی" (اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے) اس کے سبب کے طور پر آگے متصلاً ارشادِ الٰہی ہے کہ

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا' وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ○

(طٰہٰ : ۱۲۵-۱۲۶)

"وہ کہے گا کہ میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا' میں تو دیکھتا بھالتا تھا' اللہ فرمائے گا کہ ہاں' اسی طرح ہوتا تھا' تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں مگر تو نے ان کو بھلا دیا' سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے"۔

یہاں "مَعِیْشَةً" معاش کے معنی میں نہیں ہے' بلکہ زندگی کے معنی میں ہے (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے) تختِ سلطنت پر بیٹھ کر بھی انسان کی زندگی دردناک رہی ہے اور رہتی ہے' فلک بوس عمارتوں اور آراستہ و مزین قصور و ایواں میں رہنے والے بھی زندگی کی تلخیوں سے تنگ رہے ہیں اور رہتے ہیں' پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کا بستر محسوس ہوتی رہی ہے اور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس "مَعِیْشَةً ضَنْكًا" کی حسرتناک داستان تاریخ کے صفحات میں دیکھنے کی ضرورت نہیں' عصر حاضر میں انسان کی چشم بصیرت و عبرت ہی نہیں' بلکہ چشم بصارت بھی دیکھ سکتی ہے کہ آج کیسے کیسے نوع بنوع خوف و حزن کی بے کلی اور بے چینی کے شکنجوں میں گرفتار ہو کر کس کس طرح بیتابانہ انسانیت کراہ رہی ہے' چنانچہ بے شمار شہادتوں میں سے بطور نمونہ پروفیسر سارو کن (Sorokin) کی یہ فریاد سنئے' جو وہ اپنی کتاب "ہمارے عہد کا بحران" میں اس طرح کر

رہے ہیں کہ :

"ہماری زندگی کا ہر شعبہ' ہماری تنظیم' ہماری سوسائٹی ایک زبردست بحران سے گزر رہے ہیں' جسم کا کوئی حصہ' قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں' جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو' ہمارے سارے بدن میں ناسور ہیں' ہم چھ سو سال گزارنے کے بعد اب زندگی کی آخری سانس لے رہے ہیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی بھولی بھٹکی کرنیں اگرچہ دنیا کو منور کر رہی ہیں مگر رات کے تاریک سائے بھی ہر لحہ بڑھتے جا رہے ہیں' اس شفق میں جب کہ سورج کی بصارت میں کمی واقع ہو گئی ہے' ہمارے لئے اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے"۔

لقد صدق اللہ تبارک وتعالٰی---نَسُوا اللّٰهَ فَاَنسٰهُم اَنفُسَهُم۔

بر سبیلِ تنزّل یہ مان بھی لیا جائے کہ "مَعِيشَةً" معاش کے معنی میں ہے' تو بھی ایسی معاشی فراغت جو حقیقتاً امن و خوش حالی کی ضامن ہو اور سکون و اطمینان اپنے دامن میں رکھتی ہو' ذکرِ الٰہی ہی کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔ وَابتَغُوا مِن فَضلِ اللّٰهِ وَاذكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُم تُفلِحُونَ (سورۃ الجمعہ) یعنی "اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو' تاکہ فلاح پاؤ"--- یہاں "فضل" سے مراد رزق ہے۔ اور اسے "فضل اللہ" بنانے والی چیز نہایت حسین طریقے سے خطِ نسخ عالی شان بلڈنگوں پر لکھی ہوئی یہ تحریر نہیں ہے کہ "هٰذا مِن فَضلِ رَبّی" بلکہ ذکرِ الٰہی ہے "وَاذكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا) اور اسی سے فلاح وابستہ ہے (لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ)

ایسا کیوں ہے کہ ذکرِ الٰہی سے روگردانی کے خمیازے میں تنگ اور وبالِ جان زندگی (مَعِيشَةً ضَنكًا) سے پالا پڑتا ہے؟ اس کی نشان دہی سورۂ زمر کے تیسرے رکوع میں کی گئی ہے' جہاں ذکرِ الٰہی سے روگردانی کا وبال قساوتِ قلبی یا قساوتِ قلبی کا نتیجہ ذکرِ الٰہی سے غفلت کو قرار دیا گیا ہے اور نرم دلی اور قلبی گداز کو ذکرِ الٰہی سے وابستہ کیا گیا ہے' اور قساوتِ قلبی سے انسان کیسے کیسے اندھے کنویں میں چھلانگ لگاتا ہے' اس کے لئے بنی اسرائیل کی سرگزشت پیش نظر رکھنی چاہئے اور بنی اسرائیل کے جرائم بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے ایک جگہ ان کے قلوب میں جڑ پکڑنے والی بس کی گانٹھ کی جانب اس طرح

اشارہ کیا ہے کہ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ... الآیۃ یعنی "پھر تمہارے (بنی اسرائیل کے) قلوب سخت ہو گئے"۔ اور اسی لئے سورۂ حدید میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلوں میں بسا کر قلوب کو نرمی اور گداز کا گہوارہ بنانے کا سبق دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی "اور وہ (مومن) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر ان پر ایک طویل عرصہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے"۔

نیز یہ کہ اللہ کی یاد سے جب دل خالی ہو گا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اس خانہ خالی میں کسی نہ کسی کا تو بسیرا ہو گا ہی' لہٰذا پھر وہ "خانہ خالی را دیو می گیرد" کا محل ہی بن کر رہے گا' یعنی وہ شیطان کا نشیمن بنے گا' چنانچہ اسے قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے کہ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف : ۳۶) یعنی "اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لیتا ہے' ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں' تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے"۔ اور ظاہر ہے کہ جن افراد کا ساتھی شیطان ہو گا تو وہ ان کو نامرادی اور خسران کے سوا اور کیا دے سکتا ہے اور جبکہ معاشرہ تو نام ہی افراد کے مجموعہ کا ہے' تو پھر شیطان کے شکار افراد پر مشتمل معاشرے کا مقدر بحران اور بالآخر ہلاکت و بربادی بن کر رہتا ہے۔

چوتھی حکمت جو ذکر اللہ سے وابستہ ہے' وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان اپنے مقصدِ وجود اور اپنے مقصدِ حیات سے غافل نہیں ہوتا' کیونکہ جو اللہ کو یاد کرتا رہے گا اور اللہ کو یاد رکھے گا' اس کے لئے یہ کیسے ممکن ہو گا کہ وہ یہ بھول جائے کہ دنیا میں وہ کیوں بھیجا گیا ہے اور کس مقصد اور کس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے اسے زندگی اور جسم و روح کی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔

پانچویں حکمت قرآن حکیم کی اس آیت سے با آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے' جس میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ یعنی "(اللہ فرماتا ہے کہ) تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔ ظاہر ہے کہ انسان ہر لحہ اللہ کے فضل و کرم کا محتاج ہے' اور اللہ کی نظر جس سے پھر جائے' اس کے لئے دنیا اور آخرت میں خسران ہی خسران ہے۔ لہٰذا اللہ کی

رحمت اور اس کی نصرت کے لئے لازمی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی نظروں سے نہ گرائے اور یہ سعادت اسی وقت حاصل ہوگی جب انسان اللہ کو یاد کرتا رہے اور اسے یاد رکھے۔

ان حکمتوں کے علاوہ ایک اور حکمت کی طرف وہ آیت اشارہ کر رہی ہے' جس میں مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ (الحشر : ۱۹) یعنی "اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا' تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے تئیں بھول گئے"۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ انسان کی بدبختی کی آخری سرحد ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو بھول جائے۔ اپنی اصلیت اور حقیقت کو فراموش کرنے کے بعد ظاہر ہے کہ انسان فرشتوں کے مرتبہ پر تو اپنے آپ کو فائز کرنے سے رہا' ادھر وہ بحیثیتِ انسان اپنا مقام بھی کھو چکا ہے' لہٰذا لے دے کر صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ حیوانیت کی سطح پر آن گرے' اور یوں اس کی وہ ساری فضیلت و عزت اور اس کا سارا شرف خاک میں مل جاتا ہے' جو انسان بنا کر پیدا کئے جانے میں تھا۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (ہم نے اولادِ آدم کو عزت و فضیلت دی) تو اس عزت و فضیلت پر انسان اسی وقت تک فائز رہ سکتا ہے جب تک وہ اللہ کو یاد کرتا رہے اور اللہ کو یاد رکھے اور جبھی وہ اپنے مقصدِ وجود و حیات (خلافتِ ارضی) کو پورا کر سکتا ہے' جس پر عزت و فضیلت کا دارومدار ہے۔ اور ذکر اللہ سے غفلت و اعراض اسے اس عزت و فضیلت اور اس شرف سے محروم کر دیتا ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھا۔

اس بات کو ایک دوسرے انداز میں بھی سمجھا جا سکتا ہے' وہ یہ کہ دعوتِ حق اور قرآن کے پیغام سے روگردانی کرنے والوں کی مثال قرآن حکیم میں اس طرح دی گئی ہے کہ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے) ظاہر ہے کہ ذکر اللہ سے غفلت اور اللہ کو بھلائے رکھنا اور دعوتِ حق کو قبول نہ کرنا' اپنے ماٰل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں' کیونکہ دعوتِ حق کو قبول نہ کرنے والا اپنے

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

الھدیٰ قسط: ۶۳

اُمّتِ مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن حکیم کی جامع ترین سورت

اُمّ المسبّحات: سورۃ الحدید

(۲)

اب سورۃ الحدید کی دوسری آیت پر غور کیجئے۔ فرمایا :

﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

"اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

سورۃ الحدید کے بارے میں یہ بات میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ اُمّ المسبّحات ہے۔ چنانچہ وہ تمام مضامین جو سلسلۂ مُسبّحات کی سورتوں میں ایک ایک کر کے آئے ہیں' کم و بیش ان سب کا کسی نہ کسی انداز میں ذکر یہاں سورۃ الحدید میں بھی موجود ہے۔ یہ مضمون اس سے قبل ہمارے اس منتخب نصاب میں اجمالاً سورۃ تغابن کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے جس کا مطالعہ "مباحثِ ایمان" کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔ وہاں الفاظ آئے ہیں : ﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ گویا وہاں جو بات ایک آیت میں آئی تھی وہ یہاں دو آیتوں میں آئی ہے۔

﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یہاں شروع میں جو حرف جار "ل" آیا ہے وہ اگرچہ عربی زبان میں بہت سے معنوں کا حامل ہوتا ہے لیکن اکثر و بیشتر قرآن مجید میں ایسے مقامات پر اس کے دو معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔ ایک لامِ استحقاق کے اعتبار سے اور دوسرا لامِ تملیک کے لحاظ سے۔ مفہوم یہ ہو گا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا حق بھی اللہ ہی کو

پہنچتا ہے اور فی الواقع بھی یہاں اللہ ہی کی بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ آج کی اصطلاح میں ہم یوں کہیں گے کہ "DE FACTO" بھی وہی بادشاہ ہے اور "DE JURE" بھی اسی کی بادشاہی ہے۔ اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں حکمرانی کرے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ تخلیق اس کی ہے، حکم بھی اسی کا چلے گا۔ کائنات اس نے پیدا کی ہے چنانچہ اسی کی مرضی اور اختیار یہاں جاری و ساری ہے۔ یہ اس کا استحقاق ہے، اور بالفعل بھی اسی کی حکومت کا سکہ یہاں رواں ہے، اسی کی مرضی اور اسی کا حکم چل رہا ہے۔

انسانی اختیار کی اصل حقیقت

اتنی وسیع و عریض کائنات کے کسی ایک گوشے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی لاتعداد مخلوقات میں سے چند ایک کو زندگی کے کسی نہایت ہی محدود سے حصے میں کچھ اختیار بغرضِ آزمائش دے دیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اپنے وجود پر اللہ ہی کا حکم جاری و ساری ہے۔ ہمارا یہ پورا جسمانی نظام ہمارے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے تابع ہے۔ ہم اپنے جسم کے کسی حصے پر بالوں کی افزائش کو روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ ہمارے دل کی حرکت ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پورے وجود پر اسی کا حکم نافذ ہے۔ البتہ ایک ذرا سا اختیار ہمیں دیا گیا ہے: ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ "چاہے اللہ کے شکر گزار بن کر رہو اور چاہے ناشکری کی روش اختیار کرو" سورۃ الکہف کی ایک آیت کے حوالے سے بھی یہ مضمون اس سے قبل ہمارے مطالعے میں آچکا ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "جو چاہے ایمان کا راستہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کرے"۔ پس اسی قدر اختیار ہمیں دیا گیا ہے۔ یہ ہلدی کی وہ گانٹھ ہے کہ اس کو لے کر کوئی اگر پنساری بن بیٹھے تو بن جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ذرا یہ پردہ اٹھے گا اور دوسرے عالم میں انسان کی آنکھ کھلے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

یہ اختیار اور یہ اقتدار، یہ فرعونیت اور یہ قارونیت سب طشت از بام ہو جائے گی۔ معلوم

ہو گا کہ یہ ایک دو گھنٹے کا کوئی ڈرامہ تھا کہ جس میں مختلف لوگوں کو عارضی طور پر مختلف کردار الاٹ کر دیئے جاتے ہیں' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا کہ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ کہ "دنیا کی یہ زندگی محض دھوکے کا سامان ہے" اور "دنیا کی زندگی کی حقیقت کھیل کود کے سوا اور کچھ نہیں!"۔ تو جان لیجئے کہ فی الاصل بادشاہی اِس وقت بھی اسی کی ہے : ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

ملحدین کے تصورِ موت و حیات کی تردید

آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا : ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔ یعنی حیات و موت کا یہ سلسلہ از خود نہیں چل رہا' یہ اذنِ رب کے تابع ہے' اللہ کے حکم کے تحت ہے۔ ذرا توجہ کیجئے کہ صرف فعل کی نسبت کے حوالے سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے! اس بات کو کہنے کا ایک انداز تو یہ ہے کہ : "ہم خود زندہ ہیں' خود مرتے ہیں"۔ لفظ خود کو اگر نکال بھی دیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ : "ہم زندہ ہیں' ہم مرتے ہیں"۔ لیکن دوسرا انداز یہ ہے کہ "وہ (اللہ) ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے"۔ ان دو جملوں میں بظاہر کوئی ایسا لمبا چوڑا فرق نہیں ہے لیکن نقطۂ نظر کے اعتبار سے ان کے حوالے سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ایک حقیقت سے مجوبیت کی عکاسی کرتا ہے' مادہ پرستی اور الحاد کی طرف لے جانے والا ہے' جبکہ دوسرا جملہ معرفت پر مبنی ہے' ایمان باللہ کا مظہر ہے اور حقائق پر نگاہ ہونے کا پتہ دیتا ہے:۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

چنانچہ اقسامِ شرک کی بحث کے ضمن میں قرآن مجید کی وہ آیت ہمارے مطالعے میں آ چکی ہے جس میں ملحدین کا پورا نقطۂ نظر چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے : ﴿وَمَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ کہ "نہیں ہے کوئی زندگی سوائے اس دنیا کی زندگی کے۔ ہم

خود مرتے ہیں' خود جیتے ہیں"۔ وہاں موت اور حیات کی نسبت خود اپنی طرف کی گئی ہے جبکہ یہاں سورۃ الحدید میں اس کے بالکل برعکس بات آئی ہے : ﴿یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ "وہی (اللہ) زندگی عطا فرماتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔" یہ اس کا فیصلہ اور اختیار ہے کہ جسے چاہے خلعتِ حیات سے سرفراز فرمائے اور جب تک چاہے اس کی زندگی کو برقرار رکھے۔ اور جب چاہے سلسلۂ حیات کو منقطع کر دے۔ اس سے قبل سورۂ آل عمران میں مباحثِ صبر کے ذیل میں اس آیت کا حوالہ آچکا ہے جس کا مضمون بالکل یہی ہے : ﴿وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ کہ موت بھی نہیں آ سکتی جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو۔ تم لاکھ چاہو کہ موت آجائے نہیں آئے گی' تم لاکھ اپنی جان لینا چاہو' نہیں لے سکو گے اگر اللہ کو منظور نہ ہو اور اس کا اذن نہ ہو۔ یہ سلسلۂ موت و حیات اسی کے اختیار میں ہے۔ آگے فرمایا : ﴿وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾ "اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ اس کے حیطۂ اقتدار سے کوئی شے باہر نہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت و کمیت؟

سورۃ التغابن کے درس میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ہماری سوچ' ہماری فکر' ہمارے تخیل' ہمارے وہم' سب سے وراء الوراء' ثم وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے۔ یہ تو ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی ماہیت و کُنہ کا معاملہ۔ اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا ہے صحیح کہا ہے کہ ؏

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

دوسرا پہلو ہے صفات کے حوالے سے معرفتِ الٰہی کے حصول کا۔ ہمارے لئے اللہ کی معرفت کا یہی واحد راستہ ہے' لیکن صفات کے بارے میں بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نہ ان کی کیفیت ہمیں معلوم ہے' نہ ان کی کمیت کا کوئی تصور ہم کر سکتے ہیں! ہم جانتے ہیں کہ وہ سمیع ہے' سننے والا ہے' لیکن وہ کیسے سنتا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ وہ کتنا سمیع ہے؟ یہ بھی نہیں جان سکتے! ہم جانتے ہیں کہ وہ قدیر ہے۔ کتنا قادر ہے؟ اس کا احاطہ کرنا ہمارے لئے

ممکن نہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں ایک لفظ ہماری پناہ گاہ ہے اور وہ ہے "کُل"۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ "وہ ہر چیز پر قادر ہے" اور ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ﴾ "وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے"۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس "کُل" کا تصور ذہنی سطح کے اعتبار سے بدلتا جاتا ہے۔ کسی کا ذہن اگر بہت ہی محدود ہے تو اس کا تصورِ "کُل" بھی بہت چھوٹا سا ہوگا۔ اسی طرح کسی کے ذہن کو اگر وسعت حاصل ہے تو "کُل" کا لفظ اس کے لئے وسعت اختیار کر جائے گا' اور جیسے جیسے آپ آگے بڑھیں گے اس لفظِ "کُل" کا مفہوم وسعت اختیار کرتا چلا جائے گا' اور یہ معاملہ وہ ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔

تیسری آیت... مشکل ترین مقام

اب آیئے' سورۃ الحدید کی تیسری آیت کی طرف! یہ قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے۔ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث یہاں اعلیٰ ترین علمی سطح پر آئی ہے :

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾

"وہی ہے اول (پہلا)' اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں بھی اور غالب بھی) اور وہی ہے باطن (انتہائی مخفی اور چھپا ہوا)"۔

ان چار الفاظ کے حوالے سے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو نقشہ سامنے آتا ہے اور جو تاثر ابھرتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ وہ عقولِ متوسطہ کی گرفت میں آنے والی بات نہیں۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک دعا میں ان الفاظ کی ایک عام فہم تعبیر کے ذریعے عقولِ متوسطہ کے لئے معاملے کو آسان بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید سب کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ عام لوگ جب اس مقام سے گزریں گے تو ان الفاظ کا کوئی نہ کوئی مفہوم ان کے بھی سامنے آنا چاہئے۔ آپ ﷺ کی ایک دعا کتبِ احادیث میں نقل ہوئی ہے :

اَنْتَ الاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ

شَيئٌ وَانت الظَّاهِرُ فليس فَوقَكَ شَيئٌ وانت البَاطِنُ فليس دُونكَ شَيئٌ

"اے اللہ تو وہ پہلا ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں تھا' تو وہ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں' تو وہ ظاہر اور غالب ہے کہ جس کے اوپر کچھ نہیں' اور تو وہ مخفی ہے کہ تجھ سے پرے اور تجھ سے زیادہ مخفی اور کوئی نہیں!"۔

زیرِ نظر آیت کے الفاظ پر گہرائی میں اتر کر غور کرنے سے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ ایمان باللہ یا ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں پہلی بات تو یہی ہے کہ خالق کو پہچانا جائے۔ پھر وہ مصور اور خالق کہ جس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا' اس کی صفاتِ کمال کا بھی ایک اجمالی علم حاصل ہونا ضروری ہے۔ عام لوگوں کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے۔ اس کے بعد معاملہ عمل کا رہ جاتا ہے' کہ اسی کو پکارو' اسی سے محبت کرو' اسی کو پوجو' اسی کی اطاعت کرو' اسی کے سامنے سر جھکاؤ' اسی سے مانگو' اسی سے دعا کرو! اس طرح گویا کلمۂ توحید : "لاالہ الااللہ" کے ان تمام مضمرات کا احاطہ ہو جاتا ہے جن کی نشاندہی اہلِ علم و معرفت نے عوام الناس کے لئے کی ہے یعنی : لَامَعبودَ اِلّاالله۔ لَامَطلوبَ الاالله۔ لامقصودَ الاالله۔ لامَحبوبَ اِلاالله!

خالق و مخلوق کا باہمی تعلق -- فلسفۂ وجود کا اہم ترین مسئلہ

لیکن جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا تھا' کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن کا ذہن یہاں رکتا نہیں۔ خالق و مخلوق اور عبد و معبود کی ثنویت اور ان کا جدا جدا تصور ایک سوال کو مستلزم ہو جاتا ہے کہ ان کے مابین ربط و تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس مسئلے کو ہمارے ہاں علم الکلام کی اصطلاح میں "ربط الحادث بالقدیم" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مان لیا کہ یہ کائنات بغیر کسی پیدا کرنے والے کے نہیں ہے' سلسلۂ مخلوقات مستلزم ہے خالق کی ذات کو' لیکن سوال یہ ہے کہ خالق و مخلوق کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ان دونوں کے مابین نسبت کیا ہے؟ فلسفۂ وجود (Philosophy of Being) کا سب سے مشکل مسئلہ یہی ہے کہ آیا اس کائنات میں خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے مابین کوئی ثنویت اور دوئی ہے کہ خالق

کو جدا سمجھا جائے اور مخلوق کو جدا' یا یہ کہ ان کے مابین کوئی اور تعلق اور ہے! اور اگر کچھ اور ہے تو وہ کیا ہے؟

خلق کے ضمن میں ایک بالکل ابتدائی سطح کا تصور تو یہ ہے کہ جیسے کسی بڑھئی نے لکڑی سے کرسی اور میز بنادی یا کسی لوہار نے لوہے سے کوئی چیز بنادی۔ یہ خلق کا سب سے بنیادی اور ابتدائی تصور (Primitive Concept) ہے۔ مذاہبِ عالم میں بھی یہ تصور موجود رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرحلے پر انہیں ماننا پڑتا ہے کہ خالق بھی قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم! اس لئے کہ بڑھئی کو کرسی بنانے کے لئے لکڑی بہرحال چاہئے' اسی طرح لوہار کو کوئی توا یا پرات بنانے کے لئے لوہا بہرحال درکار ہوگا' اس کی تخلیقی قوت کسی مادے پر ہی اپنا اثر ظاہر کرے گی۔ لہٰذا مانا گیا کہ خدا بھی قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر تعددِ قدماء کا تصور پیش کیا گیا کہ خدا بھی قدیم' مادہ بھی قدیم اور روح بھی قدیم!!

ایک دوسرا تصور لوگوں کے ذہن میں یہ آیا کہ خالق و مخلوق کا باہمی تعلق اسی نوعیت کا ہے جیسے برف پگھل کر پانی بن جائے۔ اب برف کو تلاش کرنا کہ وہ کہاں ہے' ایک بے معنی سی بات ہے۔ وہ برف اب کہیں نہیں ہے' یہ پانی ہی برف ہے۔ اب وہ پانی اگر بھاپ بن کر اڑ جائے تو پانی کا اب کوئی علیحدہ وجود نہیں ہے' وہی بھاپ پانی بھی ہے اور وہی بھاپ برف بھی ہے۔ اس طرح کا ایک تصور ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں بھی قائم کیا گیا کہ خالق ہی نے درحقیقت کائنات کی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ عقیدہ ہمہ اوست (Pantheism) کہلاتا ہے جو بدترین شرک ہے' کہ اس کی رُو سے ہر شے الوہیت کی حامل بن جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ خدا اس کائنات میں حل ہوگیا ہے۔ یہ سب گمراہی کی صورتیں ہیں۔

حلول و اتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت دوئی عینِ ضلال است

حلول و اتحاد کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ جیسے پانی میں شکر گھل جاتی ہے اور شکر کا علیحدہ وجود ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ اس کائنات میں حلول کر گیا ہے۔ خالق و مخلوق کے تعلق کے ضمن میں یہ مختلف تصورات دنیا میں رہے ہیں۔ سوچنے والے بہرحال سوچنے پر مجبور

(باقی صفحہ ۶۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

دعوت وتحریک

انفرادی دعوت

اہمیت، طریق کار اور مراحل

33/16/36

(الاخوان المسلمون کے مجلّہ الدعوۃ سے ماخوذ)

الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی اشرف الخلق اجمعین سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

دعوت کے سلسلے میں ہمارا سب سے پہلا فرض اور ہماری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ جس بات کو ہم صحیح اور حق سمجھتے ہیں وہ ہماری نجی زندگی میں ظاہر ہونی چاہئے اور ہماری عملی زندگی میں ہمارے خیالات وافکار اور سوچ کی جھلک پائی جانی چاہئے۔ اس لئے ہمیں سب سے پہلے اپنی اصلاح پر توجہ دینا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے بھائیوں کو دعوت دینے کے سلسلے میں اپنی جدوجہد اور کوششوں پر خاص نگاہ رکھیں۔ اس دعوت کو ہمارے دل ودماغ اور نگاہ میں ہمہ وقت رہنا چاہئے یہاں تک کہ یہ ہمارے رگ وپے میں سما جائے اور خون بن کر رگوں میں دوڑنے لگے۔

دعوت پیش کرنے کے بہت سارے طریقے اور اسالیب ہیں۔ یہ کام ہم تحریر وتقریر اور عام گفتگو کے ذریعے بھی انجام دے سکتے ہیں، تقریروں اور لیکچروں وغیرہ کے ذریعے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، عام سنجیدہ مجلسی گفتگو بھی دعوت کا ایک ذریعہ بن سکتی ہے۔ ایسے ہی شخصی دعوت بھی اسی کام کا ایک جزوی پہلو ہے۔

ایک سچے داعی کو ان تمام میدانوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور ان تمام مذکورہ پہلوؤں سے اس میں کام کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ اس کی دعوت عام ہو، اس میں کوئی محدودیت نہ ہو بلکہ وسعت اور پھیلاؤ ہو۔ اس کام کے لئے وہ کسی مخصوص

جگہ، مخصوص ماحول یا زمانے کا پابند نہیں ہے مسجد ہو یا مدرسہ، مجلس ہو یا گھر، سب اس کی دعوت کے میدان ہو سکتے ہیں۔ ہر جگہ اس کے شاگردوں، عقیدت مندوں کا ہجوم ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے اور ان تمام لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بہت مشفقانہ اور اخلاقی ہونا چاہئے۔ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو ہمہ وقت سامنے رکھنا چاہئے۔

لَاَن یَھدِیَ اللّٰہُ بکَ رجلاً واحدًا خیرٌ لکَ مِن حُمرِ النَّعم

"اللہ نے تمہاری ذات کے ذریعہ اگر ایک انسان کو بھی ہدایت دے دی تو یہ سرمایہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔

اس کتابچہ میں صرف ایک فرد کے کام کا پروگرام ذکر کیا جائے گا کہ دعوت کے کون کون سے میدان اس کے سامنے ہو سکتے ہیں اور اس کے لئے کام کے ممکنہ کون کون سے طریقے ہیں۔ سب سے پہلے تو اسے اپنے کام کے لئے اور مقصد کے حصول کے لئے ایک میعاد مقرر کر لینی چاہئے کہ اتنے دنوں کے اندر مجھے یہ کام انجام دے دینا ہے خواہ اس کے لئے مجھے کتنی ہی محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑے۔ مثلاً وہ یہ طے کر لے کہ اس مدت کے اندر مجھے اپنے حلقے میں ایک نئے ساتھی کو داخل کرنا ہے۔ پھر اس پروگرام پر اسے بار بار غور و فکر کرنا چاہئے، اپنے عزم و ارادہ کی تجدید کرتا رہے اور اس سلسلے میں اپنی کوششوں کی پیش رفت کا جائزہ لیتا رہے کہ ہدف کو پورا کرنے میں میری کوششیں کس حد تک آگے بڑھی ہیں اور مجھے کس حد تک کامیابی ملی ہے۔ اس پروگرام کو مکمل کرنے کے لئے جو کوشش بھی ممکن ہو اس سے گریز نہ کرے، اس کو عملی شکل دینے کے فریضہ کو اپنی کامیابی و ناکامی کا معیار بنالے۔ اپنے حلقے میں افراد کے اضافہ کی کوشش اور اس میں کامیابی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور اسلام کی سربلندی و برتری قائم کرنے کے لئے کام کرنے والوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوگا۔ یہ اضافہ دعوت کے فروغ اور تیزی کے ساتھ اس کی ترویج و اشاعت پر اثر انداز ہوگا، جس کی آخری شکل یہ ہوگی کہ راہ حق کے مسافروں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور ان کی طاقت و قوت بڑھے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے مسلمانوں کی امیدوں اور ان کی تمناؤں کو بروئے کار لانے کی راہ میں کچھ پیش رفت کر لی ہے۔ داعی کو ہر قدم پر اس کنجی کو یاد رکھنا چاہئے جس سے دلوں

کو کھولا جاتا ہے یعنی جیسے یوسف علیہ السلام سے کہا گیا "نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ" (آپ ہمیں تعبیر بتائیں' آپ ہماری نظر میں نیک ہیں)۔

ایسے ہی نفس کے خلاف مجاہدہ اور نقد و احتساب کا موقف اپنانا بھی داعی کا فریضہ ہے کیونکہ انسان کی دعوتی سرگرمی کا پہلا مرکز اس کی اپنی ذات ہے اور سب سے پہلا سابقہ خود اپنے نفس سے ہے جس کو زیر کئے بغیر اسلام اور دنیا کا کوئی کام منصور ہی نہیں ہے۔ جو شخص اپنے نفس پر کنٹرول حاصل کر لے وہ دعوت کے سلسلے میں دوسری تمام رکاوٹوں پر با آسانی قابو پا سکتا ہے : قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (الشمس : ۹) "یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا"۔

وفقنا اللّٰہ للخیر وجعلنا من جندہ العاملین وحزبہ المفلحین انہ نعم المولی ونعم النصیر

اسلام کی دعوت' دعوت الی اللہ کو پہنچانا ہر زمانے میں ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض رہا ہے لیکن اِس زمانے میں اس کی اہمیت و ضرورت بہت بڑھ گئی ہے جس میں مسلمانوں پر اور ان کے مذہب و عقائد اور اسلامی تہذیب و تمدن پر دشمنوں کی طرف سے بدترین حملے ہو رہے ہیں۔ یہ حملے مختلف محاذوں سے کئے جا رہے ہیں' فکری' سیاسی' اقتصادی تمام میدان ان حملوں کی زد میں ہیں جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں سے اسلامی دعوت کا جوہر اور اس کی اصل صفت چھین لی جائے اور انہیں سب سے بڑے ہتھیار سے محروم و نہتا کر دیا جائے۔

دعوت داعی کے لئے ایک فریضہ تو ہے ہی' اس کے ساتھ ساتھ یہ بہت بڑا شرف و اعزاز بھی ہے : وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ "اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔ فریضہ کے ساتھ ایک کارِ ثواب بھی ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اور عظیم ہے جیسا کہ حدیث پاک میں موجود ہے لان یھدی اللّٰہ بک رجلاً واحداً خیر لک مما اطلعت علیہ الشمس "اللہ تعالیٰ آپ کو کسی انسان کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے یہ

اس سے بہتر ہے جس پر کہ سورج طلوع ہو (یعنی دنیا اور اس کے مشاغل)"

اسلام سے انحراف، مغرب زدگی اور مرعوبیت، جہل افروزی اور مختلف غلط فکری دھاروں کے بہاؤ اور مختلف ازموں اور فاسد و باطل نظریات کے ہنگام میں اللہ کے راستے کی دعوت اور سیدھے اور سادے طریقے کی طرف گمراہ انسانیت کو بلانا وقت کا اہم فریضہ اور سب سے اہم تقاضا ہے۔

سنجیدہ اسلامی عمل کے جملہ مرحلوں میں دعوت کا مرحلہ بہت اہم اور نازک ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ علم اور آگاہی کا ہوتا ہے۔ شخصیت سازی اور ذہن سازی کا کام بعد کا مرحلہ ہے کیونکہ سب سے پہلے افراد کو اس طریقے اور اس راستے کا علم دینا ضروری ہے جس کی طرف انہیں بلایا جارہا ہے تاکہ وہ مکمل طور سے سوچ سمجھ کر اور دل کے اطمینان سے اس دعوت کو قبول کرنے یا رد کرنے کا فیصلہ کر سکیں۔

یہی مرحلہ علم دینے اور اسلامی دین کا صحیح تعارف بہم پہنچانے کا ہوتا ہے جو بنیادی مرحلہ ہے۔ دعوت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم وہ ہے جو اسباق نشر و اشاعت اور دیگر وسائل کے استعمال سے دی جاتی ہے۔ کتب و جرائد، ٹیپ شدہ کیسٹ یا مجلہ و لٹریچر وغیرہ کی فراہمی کے ذریعہ دی جاتی ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو انفرادی اور نجی اور شخصی ہوتی ہے جس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہاں ہم اس مؤخر الذکر دعوت کا ذکر کریں گے اور اس کو ہم دو خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱ - دعوت کے مفاہیم اور اس کے اسالیب اور اس کے مختلف مرحلوں کا تدریجی ارتقاء۔

۲ - دعوت کی خصوصیات اور داعی کے صفات و امتیازات۔

دعوت کا انداز' اس کے مراحل

داعی کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ ان مسلمانوں کے ماحول' ان کے حالات اور سوچنے سمجھنے کے طریقے کو بہت قریب سے دیکھے اور سمجھے جن کو وہ اپنی دعوت کا مخاطب بنا رہا ہے' ان کے ذہنی رجحانات اور فکری رویّوں کا بغور جائزہ لے' اس لئے کہ انہیں اس ماحول سے نکالنا ہی داعی کا مقصد ہوتا ہے جس میں اسلام کے بارے میں کوتاہ فہمی' دین کا محدود تصور اور اپنی غلط فکر کے بارے میں انتہاپسندی اور کم علمی پائی جاتی ہے۔ اور انہیں دین کا جامع' ہمہ گیر اور وسیع مفہوم بتانا اور اسلام کے بارے میں صحیح فہم و ادراک دینا ہی داعی کا اصل نصب العین ہے۔ اسے اسلام کا وہ کامل تصور جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے دینا ہے اور دین کے پورے تقاضوں اور مطالبات کی مکمل آگاہی دینی ہے۔ اور یہ کام اس وقت تک اپنی مکمل شکل میں نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان لوگوں کے بارے میں صحیح اور مکمل واقفیت نہ ہو جن پر کام کیا جا رہا ہے اور اس ماحول کا پوری طرح اندازہ نہ ہو جس میں کام ہونا ہے۔

اگر ہم آج اپنے معاشرے اور سماج پر سرسری نظر ڈالیں تو یہ بات باآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر ایمان کی کمزوری یا دوسرے لفظوں میں دین کی صحیح معرفت اور جامع تصور کے بغیر اسلام پر ایمان لانا بہت زیادہ سنگین ہے اور یہ صورتحال فکری یلغار سے بھی زیادہ خطرناک مضمرات کی حامل ہے' جس کا آج مسلمانوں کی اکثریت کو سامنا ہے۔ اس صورتحال سے اسلام مخالف طاقتیں پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں اور اس صورتحال نے دشمنوں کے لئے بعض مسلمانوں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے عمل کو آسان بنا دیا ہے اور جب تک ایسے لوگوں کے اندر ایمان بیدار نہ کیا جائے اور انہیں دین کا صحیح تصور نہ دیا جائے اور پھر ان کی صحیح راہنمائی اور بامقصد تربیت کا انتظام مکمل نہ کر لیا جائے اس وقت تک ان کے اندر دین کے لئے کام کرنے کا جذبہ اور اسلام کی سربلندی اور دین کی اقامت کے لئے ان کے اندر کوئی تحریک نہیں پیدا کی جا سکتی'

اور نہ ہی عمل اور اسلام کے حق میں مثبت نتیجہ خیزی کی توقع کی جاسکتی ہے اور جب تک ان کے اندر صالحین امت کے درجہ تک پہنچنے کی تڑپ پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ان سے کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

دعوت کے کام میں ترتیب اور نظام کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ بے ترتیبی اور کام میں بے ربطی سستی اور تساہلی کا سبب بن سکتی ہے اور ترتیب سے بے توجہی کام کے تسلسل میں بڑی رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔ ہم اپنے دعوتی کام کو کسی غافل لاپرواہ اور سست آدمی سے شروع کر سکتے ہیں اور اسے تدریجی طور پر مرحلہ وار آگے بڑھا سکتے ہیں، لیکن بہت سارے افراد ہمیں ایسے مل سکتے ہیں جن کے اندر صحیح بات کو قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہو اور بات کو وہ اچھی طرح سے سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم اپنا دعوتی کام ان باصلاحیت افراد سے شروع کریں۔ اس طرح ہماری محنت بھی بچے گی اور وقت بھی، جسے ہم دوسرے میدانوں میں صرف کر سکیں گے۔

ہمارے بہت سے مسلمان بھائی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے بالکل منہ موڑے ہوئے ہیں اور دنیاوی مشاغل و مصروفیات نے انہیں اپنے خالق و مالک حقیقی سے غافل کر رکھا ہے۔ ان کی مثال ان سوئے ہوئے لوگوں کی سی ہے کہ آگ جن سے قریب ہوتی جارہی ہے اور اگر وہ بروقت بیدار نہ ہوئے تو اس کی زد میں آجائیں گے۔ اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو جاگ رہے ہیں اور یہ خطرناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنا فرض پورا نہ کیا اور سوتے بھائیوں کو بیدار کر کے اس خطرے کی آگاہی نہیں دی تو وہ سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے تو ان کا فرض ہے کہ اگر وہ آگ نہیں روک سکتے تو کم از کم سوتوں کو تو جگادیں تاکہ وہ اس مصیبت سے بچ سکیں، لیکن اگر جگانے سے پہلے وہ خطرے کی آگاہی دینا شروع کردیں تو یہ قطعی بے مقصد اور بے سود عمل ہوگا جو عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ اس لئے پہلا فرض جگانا ہے اور پھر خطرے کی آگاہی دینا۔

جگانے والے بھائیوں کو بسا اوقات یہ مرحلہ بھی پیش آسکتا ہے کہ سونے والا یہ کہے

کہ اسے سونے دیا جائے "مجھے اپنی نیند میں خلل اندازی گوارا نہیں ہے" لیکن غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ایک انسان ایسا اُس وقت کہے گا جب کہ وہ مکمل طور سے نیند سے بیدار نہ ہوا ہو۔ اگر وہ بیدار ہو جاتا اور یہ منظر دیکھ لیتا تو فوراً خطرے سے بچنے کی تدبیر کرتا۔ اس لئے اس کی اسی بات پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا اور یہ سمجھ کر کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا سوتا ہوا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ بعینہٖ یہی معاملہ داعی اور مدعو کا ہے۔

دعوت کے سلسلے میں داعی کو ہر طرح کی تکلیف پر صبر و ثبات سے کام لینا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور راستے پر عمل کرتے ہوئے اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے' جو دعوت کے کام میں ہر طرح کے مصائب کا سامنا کرتے رہے اور لب پر یہی دعا رہی :

رَبِّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

(اے رب میری قوم کو ہدایت دے' یہ لوگ جانتے نہیں ہیں)

امام حسن البنا شہیدؒ اخوان المسلمون کو اس مفہوم کی تلقین کیا کرتے تھے' وہ کہتے تھے :

كُونُوا مَعَ النَّاسِ كَالشَّجَرِ يَرْمُونَهُ بِالْحَجَرِ وَيَرْمِيهِمْ بِالثَّمَرِ

(لوگوں کے ساتھ تمہارا معاملہ درخت کا سا ہونا چاہئے کہ لوگ اس پر پتھر پھینکتے ہیں' وہ ان پر پھل گراتا ہے)۔

پہلا مرحلہ

دعوت کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ تعارف کا ہے۔

جن لوگوں کو دعوت دی جائے ان سے داعی کا تعارف اور ایک دوسرے سے رسم و راہ بڑھانا اور ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ اس کے ذہنی رجحانات اور اس کے طبعی میلانات کو سامنے رکھ کر اس پر کام کیا جا سکے' کیونکہ دعوت کو اس طرح پیش کرنا چاہئے کہ وہ مخاطب کے ذہن و فکر اور عقل و شعور کو اپیل کرے اور وہ ہمدردانہ غور و فکر پر آمادہ ہو جائے۔

تعارف حاصل کرنے کے لئے مخاطب کی موجودگی میں اس پر پوری توجہ دینی چاہئے اور اس کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی خبر گیری کرتے رہنا چاہئے۔

دعوت کے کام کا مخاطب کو عملی طور پر احساس دلایا جائے اور اس سلسلے میں کوئی گفتگو کرنے سے پہلے اپنے طرز عمل سے اسے یہ اندازہ کرایا جائے کہ داعی کے پاس اس کے لئے کوئی پیغام ہے تاکہ اس کا دل اس سے کھل سکے اور جو کچھ اس سے کہا جائے اس پر سنجیدہ غور و فکر کے لئے تیار ہو جائے اور ان باتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔

دعوت کے اس ابتدائی مرحلہ پر جتنی توجہ دی جائے گی اور اس کو جتنی اہمیت اور حیثیت کے ساتھ برتا جائے گا اسی تناسب سے مدعو دعوت قبول کرے گا اور مثبت انداز میں سوچنے کے امکانات ابھریں گے۔ اس مرحلے کی تکمیل سے پہلے دعوت کے اگلے مرحلے کے بارے میں کوئی گفتگو کرنا بسا اوقات اعراض اور گریز کا سبب بن سکتا ہے۔ اس مرحلے میں چند ہفتے بھی لگ سکتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ

یہ ہے کہ مدعو کے دل میں سوئے ہوئے ایمان کو بیدار کیا جائے۔ ایمان فطری طور پر ہر انسان کے دل میں رہتا ہے' مختلف طریقوں سے اسے بیدار کرنے اور جگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایمان کے سلسلے میں مخاطب سے کوئی گفتگو براہ راست نہ چھیڑنا چاہئے بلکہ فطرت سے قریب تر راستہ اپنانا چاہئے اور یہ گفتگو اس انداز سے شروع کی جائے کہ یہ احساس نہ ہو کہ بالارادہ اس موضوع کو اٹھایا گیا اور ایک بالکل نئی اور انجانی چیز ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مثلاً آپ نے کوئی پرندہ اڑتے دیکھا یا زمین پر پڑے ہوئے کسی دانے پر اس کی نظر پڑی یا اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق آپ کے سامنے موجود ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مخاطب اور مدعو کے ساتھ گفتگو شروع کریں اور ان ہی اتفاقی واقعات کو بات چیت کی تقریب بنالیں۔ پھر خدائے برتر کی صفتِ خلق اور اس کی عظمت و کبریائی پر گفتگو کی طرف لے جائیں۔ اسے اس طرح سمجھائیں کہ دیکھو یہ سبزہ پانی اور مٹی سے کس طرح اگتا ہے اور پھر ایک ہی پانی سے سیراب ہونے اور ایک ہی مٹی میں

پروان چڑھنے کے باوجود اپنی ظاہری ساخت' پتیوں' پھولوں' پھلوں رنگ و بو اور مزے میں ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہوتا ہے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (النمل : ۸۸)

"یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو عمدہ طریقے سے پیدا کیا"۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (لقمان : ۱۱)

"یہ تو اللہ کی بنائی چیزیں ہیں' ذرا مجھے وہ چیزیں بھی تو دکھاؤ جو خدا کے ماسوا معبودوں نے بنائی ہیں"۔

مخاطب کے سامنے یہ سوال رکھا جائے کہ سائنس دان اپنی تمام تر علمی و صنعتی ترقیوں کے باوجود اور ترقی اور ایجاد و اختراع کی اس منزل تک پہنچنے کے بعد بھی کیا وہ آج گیہوں کا ایک دانہ بھی اپنے کارخانوں میں بنا سکتے ہیں جس کے اندر نمو کی صلاحیت ہو اور پانی سے سیراب کرنے اور مٹی میں ڈالے جانے کے بعد وہ اُگے اور گیہوں کی ڈنٹھل بن جائے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ اس پر قادر نہیں ہیں' کیونکہ نمو کی صلاحیت بخشنا اور اسے مٹی سے اگانا یہ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس عمل میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ صلاحیت انسان کسی مصنوعی دانے میں کیسے پیدا کر سکتا ہے؟ اگر روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں جو خدا کی مخلوقات میں حقیر تر ہے تو نہیں کر سکتے۔ یہ سب خدا کا اختصاص ہے۔

اس طرح کی گفتگو اور اس کے اعادہ و تکرار سے مخاطب کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر اور تدبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور اس کی بڑائی کا تصور پیدا ہوگا اور اسی تصور کا دل میں پوری طرح راسخ ہو جانا اور اتر جانا ایمان کا دوسرا نام ہے۔

وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

"وہ آسمان و زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں (اور پھر وہ یہ پکار اٹھتے ہیں) کہ اے رب تیری یہ تخلیق بے مقصد نہیں ہے۔ تو بزرگ و برتر ہے' پس تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا"۔

اس ایک آیت میں متعدد مضامین آ گئے ہیں اور ان میں باہم ایک خاص ترتیب اور ربط ہے۔

(۱) مخلوقات میں غور و تدبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی پاکی و کبریائی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور اس کی ذات پر ایمان لانے اور آخرت پر ایمان لانے پر آمادہ کرتا ہے۔

(۳) آخرت میں اپنے اعمال کی باز پرس اور احتساب کا خوف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں سے توبہ کرنے اور جہنم کے عذاب سے نجات مانگنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اور اس طرح جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر ایمان مکمل ہو جائے گا اور اس کی قدرت کاملہ اور صفات پر یقین ہو جائے گا تو دل خدا کی صحیح معرفت سے زندہ ہو اٹھے گا اور اپنی غفلت اور کوتاہی پر شرمندگی ہوگی اور ذہن بیدار اور متنبہ ہوگا تو اسلام کے دوسرے تکمیلی عناصر اور ان چیزوں پر ایمان لانے کے لئے بھی تیار ہو جائے گا جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسے زندگی بعد موت، حساب و کتاب، سزا و جزا اور گناہ و ثواب، نیز وہ اپنی تخلیق کے مقصد پر بھی غور کرے گا اور اپنا مشن اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی حاصل کرنے کا خواہش مند ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت ہے۔ اس لئے کہ وہ جس خدا کی ذات کا ادراک کر چکا ہے اس کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے ہمیں بے مقصد و بے فائدہ پیدا کیا ہوگا۔

اس موقع پر انسان کی افضلیت کے مسئلہ کی وضاحت بھی مفید ہوگی، اسے افضلیت محض اس لئے حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود میں اپنی روح پھونکی ہے۔ اس پہلو کو عام طور سے لوگوں نے نظر انداز کیا ہے اور انسان کے خاکی وجود اور اس کے جسمانی تقاضوں کو ہی زیادہ اہمیت دی ہے حالانکہ صحیح عقیدہ اسی روح کو قرار دیتا ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی بھی ہے۔

ایمان کے مسائل سے متعلق اسی انداز میں گفتگو ہونی چاہئے۔ جب یہ مسائل مخاطب

کے ذہن میں پوری طرح تازہ ہو جائیں گے تو وہ اپنے اوپر نظر ثانی کرے گا اور اس کے اندر یہ احساس پیدا ہو گا کہ اسے لاپرواہی اور غفلت کی روش ترک کرنی چاہئے! اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اسی طرح مصر رہا تو قیامت کے دن اسے اس انجام کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے نجات اور فرار کی ہر راہ مسدود ہو چکی ہو گی اور جو کوتاہیاں ہو چکی ہیں ان کی تلافی کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ اور پھر اس احساس کے بعد اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے پر اس کی آمادگی آسان ہو جائے گی۔

(جاری ہے!)

بقیہ : الھدٰی

تھے۔ یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ انہیں سوچنا نہیں چاہئے تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لئے تو صحیح ہے کہ جن کے ذہن میں وہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ جسے پیاس لگی ہی نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہو گا، لیکن جسے لگ گئی ہو اسے تو اب پانی تلاش کرنا ہو گا۔ چنانچہ جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ مسائل کلبلا رہے ہوں، جو لوگ فلسفیانہ مزاج کے حامل ہوں، اور جن کی افتادِ طبع یہ ہو کہ وہ ہر شے کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہوں، بقول شاعر۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

وہ ان مسائل پر غور و فکر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور خود کو اس معاملے میں بے بس پاتے ہیں۔ (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

ضلع خوشاب کے اعوان خاندان سے تعلق رکھنے والے، تنظیم اسلامی کے رفیق، عمر ۳۲ سال، ایم اے سرکاری ملازم، آمدن مبلغ -/5000 روپے ماہانہ کے لئے دینی مزاج کا حامل رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

پتہ برائے رابطہ : غلام مرتضیٰ اعوان، قرآن اکیڈمی 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

مذاکرہ

ملکی سالمیت اور کراچی کا مسئلہ

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام سیمینار کی روداد

(مرتب : رفاقت علی شاہد' بشکریہ ہفت روزہ زندگی)

"تحریک خلافت پاکستان" کے زیر اہتمام پچھلے چار برسوں میں کئی اہم قومی معاملات پر سیمینار منعقد ہوئے ہیں۔ ۲۹ جون ۱۹۹۵ء بروز بدھ "ملکی سالمیت اور کراچی کا مسئلہ" زیر بحث تھا۔ کراچی کے حالات پچھلے چھ ماہ سے جس قدر خوفناک بن کر ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں' ایسے پہلے تو نہ تھے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۸۸ء کے بعد دو دفعہ مرکز اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت بنی اور دونوں دفعہ کراچی پر آگ اور خون کی جنگ مسلط ہو گئی یا کر دی گئی۔ آج یہ آگ اس قدر شدید ہے کہ پاکستان کا ہر محب وطن شہری کراچی کے لئے پریشان اور فکر مند ہے۔

تقریب کے میزبان "تحریک خلافت پاکستان" کے بانی اور داعی ڈاکٹر اسرار احمد تھے۔ مقررین میں جناب وصی مظہر ندوی' جناب ریٹائرڈ جنرل حمید گل' جناب ریٹائرڈ جسٹس نسیم حسن شاہ' جناب زیڈ اے سلہری اور جناب ایس ایم ظفر شامل تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ ایم کیو ایم کے رہنما جناب اجمل دہلوی اور جناب حکیم محمد سعید کی شرکت بھی سیمینار میں متوقع تھی لیکن اجمل دہلوی لندن روانہ ہونے کے سبب اور حکیم محمد سعید اپنی مصروفیات کے سبب تشریف نہ لا سکے۔

تقریب کا آغاز نماز مغرب کے بعد ہوا۔ قرآن آڈیٹوریم کا ہال حاضرین سے پر تھا۔ اسٹیج پر دو طرفہ نشستوں کا اہتمام تھا۔ بائیں اور دائیں مہمانان گرامی براجمان تھے۔ میزبان کی نشست اسٹیج کے عین درمیان تھی۔ میزبان کے دائیں اور بائیں دو دو نشستوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اگلی نشستوں پر مقررین اور پچھلی نشستوں پر مہمان اور سیمینار کے منتظم حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ دائیں ہاتھ کی اگلی نشست پر ریٹائرڈ جنرل حمید گل جبکہ بائیں طرف اگلی نشست پر بقیہ مقررین تشریف فرما تھے۔ اپنی تقریروں کے بعد وصی مظہر ندوی دائیں نشست اور جنرل حمید گل بائیں طرف کی نشست پر جا بیٹھے اور اختتام تقریب تک وہیں موجود رہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب سب سے پہلے تھا۔ انہوں نے کراچی کے مسئلے اور اس کے حل کو قرآن مجید کی روشنی میں بیان کیا۔ وہ پاٹ دار آواز اور شستہ لہجے میں کہہ رہے تھے کہ آیئے کراچی کے مسئلے کی اصلیت قرآن مجید سے تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیات ۷۶ تا ۷۸ میں جو بیان کیا ہے وہ ہمارا اصل قصور اور کراچی کے مسئلے کا سبب ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق بیان فرمایا ہے جو خدا سے وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ پہلے خدا سے کہتے ہیں کہ تو ہمیں کامیاب کر دے' ہم تیرا حکم مانیں

گے اور اسی کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ جب وہ اپنا مقصد حل کر لیتے ہیں تو خدا سے کیا ہوا وعدہ بھول جاتے ہیں۔ خدا انہیں اس کی سزا دیتا ہے کہ ان میں نفاق پیدا کر دیتا ہے۔ وہ منافق بن جاتے ہیں۔ آج ہم بھی بحیثیت مجموعی نفاق کا شکار ہیں' سو یہ ہمیں بد عہدی کی سزا ملی ہے۔ ہم نے پاکستان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حاصل کیا لیکن اسے حاصل کرنے کے بعد اپنے وعدے سے پھر گئے' تب خدا نے ہمیں یہ سزا دی ہے۔ کراچی کے حالات کی ابتری ہمارے نفاق کی وجہ سے ہے۔ میں خود مہاجر ہوں اور پچھلے بیس برس سے مہاجرین سے کہہ رہا ہوں کہ قیام پاکستان کے معاملے میں سب سے بڑا حصہ مہاجروں کا تھا اور اس حوالے سے ان پر سب سے بڑھ کر ذمہ داری عائد ہوتی ہے' اور اگر ہمارے کرتوتوں کے سبب پاکستان پر کوئی عذاب مسلط ہوا تو اس کا اولین ہدف مہاجر ہوں گے۔ لیکن ہم نے پاکستان آ کر اپنی دنیا کی بہتری کے لئے تو دوڑ بھاگ کی اور اس مقصد کو پس پشت ڈال دیا جس کے لئے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ قائداعظم نے بھی یہ ملک بین اسلامزم کے لئے حاصل کرنے کی جدوجہد کی تاکہ تمام مسلم ممالک کو ایک مرکز پر اکٹھا کیا جا سکے۔ اس وقت ہم نے بحیثیت مسلم قومیت تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ خود میں بھی اس تحریک میں شامل تھا۔ میں طالب علم تھا۔ ہم نے خود یہ نعرہ لگایا کہ "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" اگر یہ نعرہ نہ لگتا تو مسلم لیگ کو ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں تاریخ ساز کامیابی نہ ہوتی۔ آج اگر سردار شوکت حیات کہتے ہیں کہ یہ نعرہ تو چند لونڈوں نے گھڑ لیا تھا تو یہ ان کی اپنی سوچ ہے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اجتماعی نفاق اور انفرادی نفاق۔ اجتماعی نفاق تو یہ ہے کہ پوری قوم منافقت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ بحیثیت قوم ہم نے پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ آج بھی ہمارے ہاں سارا نظام حیات و کاروبار وہی ہے جو انگریز چھوڑ گئے تھے۔ وہی سرمایہ داری نظام' وہی سودی معیشت' وہی صوبے اسی حالت میں جیسے یہ آسمان سے اترے ہوں' وہی آزاد قبائل آج بھی موجود ہیں' گویا وہی قبائل آزاد ہیں' ہم ابھی بھی غلام ہیں۔ ہم اس نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کر رہے۔ اسی طرح ہم نفاق باہمی میں بھی مبتلا ہیں۔ سندھی' پنجابی' پشتون' بلوچی' مہاجر وغیرہ قومیتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

نفاق کی دوسری قسم انفرادی نفاق ہے۔ بات تو تلخ ہے لیکن کہنا پڑتا ہے کہ جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا مکار' جھوٹا اور خائن ہے۔ کراچی کے حالات کی ابتری میں یہ انفرادی نفاق بھی شامل ہے۔ آج کراچی میں قیمتی انسانی جانیں یوں ضائع کی جا رہی ہیں جیسے مکھی اور مچھر کو مارتے ہیں۔ ۱۲ برس قبل ۸۳ء کی تحریک کے ذریعے ایک پھوڑا بنا تھا۔ آج وہ پھٹنے کے قریب ہے۔ ۷۱ء کے حالات کو سامنے رکھئے۔ اس وقت مجیب بھی یہی کہتا تھا کہ بات صرف مجھ سے ہو گی۔ آج الطاف حسین بھی یہی کہہ رہا ہے۔

ہمارا اصل مرض وعدہ خلافی ہے۔ اس کی سزا ہے نفاق اور اس کے دو مظاہر ہیں۔ نفاق باہمی اور نفاق عملی۔ اس مرض کا علاج خلوص دل کے ساتھ توبہ اور اللہ کی جناب میں رجوع ہے' انفرادی ہی نہیں اجتماعی بھی۔ جس کی عملی صورت یہ ہو گی کہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام کو بالفعل قائم کریں اور اللہ سے کئے گئے وعدے کا ایفاء کریں۔ ورنہ یہ پھوڑے ادھر سے ادھر نکلتے رہیں گے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ ہمیں اس بھنور سے بھی نکال لے جائے گا۔ جس طرح قبل ازیں ایسے موقع پر خدا کی مدد ہمارے شامل حال رہی

ہے۔

کراچی کے مسئلے کا اصل مرض اور علاج تو ہم نے دیکھ لیا۔ اس وقت مسئلہ فوری علاج کا ہے۔ فوری حل کے لئے میں ان نکات کا حوالہ دوں گا جو چار سال قبل "تحریک خلافت پاکستان" کے پمفلٹ میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ ان میں اور اضافہ یہ کروں گا کہ ملک میں صدارتی نظام نافذ کیا جائے جو اسلامی خلافت سے قریب ہے۔ عصری تقاضوں کے پیش نظر چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ موجودہ صورتحال میں جب ہم قومیتوں میں تقسیم ہو چکے ہیں تو ہمیں ایک "مہاجر قومیت" کا اضافہ بھی گوارا کر لینا چاہئے۔ کراچی کے مسئلے کا حل بھی اسی میں پوشیدہ ہے کہ ان کا علیحدہ صوبے کا مطالبہ بھی مان لیا جائے۔ اگر ان کو ایک ایسا صوبہ نہ ملا جس میں انہیں آزادی اور اختیارات حاصل ہوں تو مسئلہ جوں کا توں رہے گا۔ بدقسمتی سے کسی نے ابھی تک اس کا ادراک نہیں کیا اور نہ مہاجرین نے کھل کر اس کا اظہار کیا ہے۔ میں نے یہ بات کہنے کے لئے نواز شریف' صدر اور نواب زادہ نصراللہ تک سے ملاقات کی لیکن کوئی میری بات سننے کو تیار نہیں۔

پاکستان بنانے میں سب سے زیادہ ہاتھ سندھیوں کا ہے۔ سندھ کو شروع ہی سے ہندوستان میں اہمیت حاصل رہی ہے چنانچہ پرانے زمانے میں ہندوستان کو "سندھ و ہند" کہہ کر پکارا جاتا۔ یعنی "سندھ" ایک حصہ اور "ہند" ایک حصہ۔ سندھ میں تب پنجاب اور سرحد شامل تھے۔ ان سے آگے ہند شروع ہوتا تھا۔ گویا انگریزوں سے قبل سندھ پورا پاکستان تھا۔ انگریزوں نے آکر صوبے بنائے جو آج تک ویسے ہی موجود ہیں۔ تحریک پاکستان کا زیادہ زور بھی سندھ میں تھا۔ اس وقت پنجاب میں یونینسٹ حکومت اور سرحد میں کانگرس حکومت تھی۔ بلوچستان کوئی صوبہ ہی نہیں تھا۔ صرف سندھ میں مسلم لیگ کی حکومت تھی۔ اس طرح پاکستان بنانے میں زیادہ کردار سندھ نے ادا کیا۔ اس کا کریڈٹ انہیں ہی جاتا ہے' چنانچہ آج پاکستان بچانا انکی ذمہ داری ہے۔ مہاجر صوبے کے بننے سے سندھ کی تقسیم ہو گی جس کا سندھیوں کو کافی صدمہ ہو گا۔ انہیں اسے برداشت کرنا چاہئے۔ میں نے سندھ میں یہ کہا کہ کراچی کا مسئلہ وہاں پہنچ گیا ہے کہ اگر ہم نے مہاجروں کا مطالبہ نہ مانا' انہیں علیحدہ صوبہ نہ دیا تو خدانخواستہ' خدانخواستہ' خدانخواستہ کراچی پاکستان سے کٹ جائے گا' اسے ہانگ کانگ بنا دیا جائے گا۔ خلیق الزماں کا بیان آیا تھا کہ ہم سندھ کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر ایسا کرنا پڑا تو پہلے پنجاب تقسیم ہو گا۔ چلئے اس سے یہ تو ہوا کہ سندھ کو تقسیم کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ ہم نے صدر سے کہا کہ آپ ایک کمیشن تو بنائیں جو اس معاملے پر غور کرے' لیکن ان باتوں پر کون کان دھرتا ہے؟ صدر نے کہا ہم سندھ میں یہ کر رہے' وہ کر رہے ہیں' لیکن یہ سب کچھ بے فائدہ ہے جب تک مہاجروں کو سیاسی حقوق حاصل نہ ہوں گے۔ آپ اربوں روپے صرف کر دیجئے' جب اسے سیاسی حقوق کے صفر سے ضرب دیں گے تو حاصل زیرو ہو گا' سب کچھ بے سود۔ مشرقی پاکستان کو ایوب خان نے بہت ترقی دی لیکن مارشل لاء کی وجہ سے ان کے سیاسی حقوق معطل تھے جس وجہ سے وہ سب ترقی صفر کے برابر ہو گئی۔ اللہ نے قیام پاکستان کے بعد ہمیں ۲۵ سال کی مہلت دی کہ ہم ملک میں اسلامی نظام نافذ کر دیں۔ جب وہ نافذ نہ ہوا تو ۱۹۷۱ء میں سزا کا کوڑا ہم پر برسا اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی

کا داغ ہمیں دیکھنا پڑا۔ ۱۹۷۱ء کے بعد اب پھر ۲۵ سال ہونے کو ہیں۔ خدا نہ کرے کہ اب کوئی اور سانحہ پیش آ جائے۔

اپنے خطاب کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے حیدر آباد سے مہمان مقرر سابق ممبر قومی اسمبلی سید وصی مظہر ندوی کو دعوت خطاب دی۔ انہوں نے کہا میں ۱۹۸۶ء سے اس مسئلے سے براہ راست متعلق ہوں۔ میں نے ۱۹۸۶ء کے آخر میں اس مسئلے پر ایک کتابچہ اور ستمبر ۱۹۸۷ء میں مطالبات کی فہرست (Charter of Demands) شائع کی تھی جس پر اخبارات اور رسائل نے موثر نوٹ لکھے۔ انہوں نے بتایا کہ اگرچہ وہ اپنا مضمون لکھ کر لائے تھے لیکن اب وہ اس کو اختصار سے زبانی بیان کریں گے۔

مولانا کا کہنا تھا مسئلہ کراچی میں چار فریق سرگرم عمل ہیں۔ پہلا فریق پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ کراچی میں دہشت گردی کرنے والوں کو بیرونی دشمنوں کا تعاون حاصل ہے۔ یہ حکومت اس کی آڑ میں اردو بولنے والے مہاجروں سے دشمنی لے کر انہیں ختم کرنے کے درپے ہے۔

مسئلے کا دوسرا فریق ایم کیو ایم ہے جس کا کہنا ہے کہ عوام نے ہمیں بھاری مینڈیٹ دیا ہے۔ اردو بولنے والے مہاجرین کی حمایت ہمیں حاصل ہے۔ ہمارا دہشت گردی اور دہشت گردوں سے کوئی تعلق نہیں۔ الٹا حکومت ہمیں ان ایجنسیوں اور اپنی فورسز کے ذریعے ڈرا رہی ہے۔ ہم یہ سب درست تسلیم بھی کر لیں تب بھی یہ مسئلہ موجود ہے کہ ایم کیو ایم نے کبھی عوامی مسائل کے لئے تحریک نہیں چلائی۔ تحریک چلائی ہے تو ٹیلی فون کی بحالی، ٹائن زیرو کی بحالی، گرفتاروں کی رہائی، مخالف تقریر پر معافی مانگنے، زیادتی کے ازالے یا پلاٹ واپس دینے کے مطالبات پر۔

تیسرا فریق اپوزیشن پارٹیز ہیں جو حق جمہوریت ادا کرنے کے لئے سمجھتی ہیں کہ پیپلز پارٹی کی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حکومت کی ناکامیاں بیان کر کے اس کو ایم کیو ایم سے بات چیت کے لئے مجبور کیا جائے۔ ان جماعتوں نے کبھی مسئلے کا خود حل پیش نہیں کیا۔ انہوں نے کبھی مہاجرین کے لئے کوئی تحریک نہیں چلائی، نہ اس کا احساس کیا کہ پاکستان بنانے والے ایم کیو ایم کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں۔ کبھی ان جماعتوں نے اپنے منشور میں مہاجرین کے مسائل کے حل کو شامل نہیں کیا۔ کبھی اس کے لئے کوئی کمیٹی تشکیل نہیں دی اور نہ آج کی صورتحال کے لئے ان کے پاس کوئی منشور اور کمیٹی ہے۔

چوتھا فریق اردو بولنے والے ہیں، جنہیں آپ مہاجر کہتے ہیں۔ حکومت اور اپوزیشن انہیں دھکیل کر مجبور کر رہی ہیں کہ وہ ایم کیو ایم کے ساتھ ہو جائیں۔ مہاجر فاقہ کشی میں مبتلا ہیں۔ ان کے جوانوں کو مارا جا رہا ہے۔ ایذا رسانی، ظلم و ستم ہو رہے ہیں۔ ان کے کاروبار تباہ ہیں۔ اوپر سے ایم کیو ایم کو بھتہ بھی دینا پڑتا ہے۔ ان حالات میں وہ مجبور ہیں کہ ان کے پاس کوئی اور راہ عمل نہیں۔

اسی قسم کے حالات بھٹو کے دور میں بھی پیدا ہوئے تھے جب اس وقت کے وزیر اعلیٰ سندھ ممتاز بھٹو کو "دس سروں والا" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اردو بولنے والوں کے خلاف ایک طرح کا اعلان جنگ کر دیا تھا۔ تعلیمی اداروں میں اردو بولنے والے طلباء کے داخلوں پر پابندی لگا دی گئی۔ ان خراب حالات کی اطلاع بھٹو تک پہنچی تو انہوں نے فوراً ممتاز بھٹو کو برخواست کر کے غلام مصطفیٰ جتوئی کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا،

مہاجر دانشوروں کو اسلام آباد بلا کر ان سے مذاکرات کئے اور لسانی معاہدہ کیا جس کے بعد کوٹہ سسٹم کا اجراء کر دیا گیا۔ اس وقت بھٹو نے دور اندیشی سے کام لیا' لیکن آج ان کی بیٹی اس دور اندیشی کا مظاہرہ نہیں کر رہی۔ بھٹو نے یہ معاہدہ دس سال کے لئے کیا تھا کہ اس کے بعد مردم شماری کے مطابق مہاجروں اور سندھیوں کو حقوق ملیں گے۔ وہ دس سال ۱۹۸۳ء میں ختم ہو گئے اور کوٹہ سسٹم مزید دس سال کے لئے بڑھا دیا گیا کیونکہ ضیاء الحق بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد سندھیوں کو نرم کرنے کے لئے ان کے فائدے کے اقدامات کرنا چاہتے تھے۔ ضیاء الحق نے اجلال حیدر زیدی کو (جو اب بے نظیر بھٹو کے ساتھ ہیں) سندھ کی آبادی کے تناسب سے ملازمتوں کے کوٹے سے متعلق رپورٹ تیار کرنے کی ہدایت کی۔ جنرل ضیاء نے اس رپورٹ کو پس پشت ڈال کر کوٹہ سسٹم کا عرصہ دس سال کے لئے مزید بڑھا دیا۔ ۱۹۹۳ء میں اس دس سال کی مدت بھی ختم ہو چکی ہے لیکن بے نظیر چونکہ گیارہ سالہ "محرومیت" کے بعد مسند نشین ہوئی ہیں اس لئے انہوں نے مرکزی عہدوں پر اپنے لوگوں کو لگا دیا ہے۔ ۲۰ سال سے مہاجر نوجوانوں کو نوکریاں نہیں ملیں۔ جام صادق کے دور میں اس کا کچھ خیال کیا گیا چنانچہ جو ملازمتیں مہاجروں کو ملیں ان پر ایم کیو ایم نے اپنے کارکن لگا دیئے۔ مہاجر دھکے کھا رہے ہیں۔ اب ملازمتوں میں ممبران قومی و صوبائی اسمبلی کا کوٹہ مقرر ہو گیا ہے۔ اس سے مزید انتشار پیدا ہو گا۔ یہ مسئلے کا ایک پہلو ہے۔ مسئلے کا سب سے بڑا پہلو شہری آبادی کے مسائل کا حل ہے۔ میں نے گورنر سندھ کمال اظفر سے ملاقات کی اور انہیں کہا کہ ہم دہشت گردوں کا مقابلہ تو کر رہے ہیں لیکن یہ اسی صورت میں کامیاب ہو گا جب آپ انہیں عوام سے علیحدہ کر دیں گے۔ بے گناہ عوام کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے' انہیں دہشت گردوں کی آڑ میں کیوں مارا جا رہا ہے؟ آپ عوام کے مسائل کی بات کریں۔ میں اپنے وہ مطالبات پیش کرنا چاہتا تھا جو ۱۹۸۷ء میں پیش کئے تھے۔ ان کی افادیت آج بھی موجود ہے۔

ہماری قومی جماعتوں پر بھی فرض ہے کہ کراچی کی ایک کروڑ کی آبادی کے مسائل کا مطالعہ کریں۔ مجھے ڈاکٹر اسرار احمد کے نئے مہاجر صوبے کی تجویز سے ایک حد تک اتفاق ہے اور ایک حد تک اختلاف۔ انتظامی آسانیوں کے لئے واقعی چار صوبے ناکافی ہیں۔ جب بھارت کے ۱۵ سے ۳۵' ترکی کے ۶۰' ۶۲ اور نائیجیریا جہاں ہمیشہ فسادات رہتے ہیں' ۳ سے ۶۰' ۶۵ صوبے بن گئے ہیں تو پاکستان میں بھی اگر نئے صوبے بنائے جائیں تو یہ ایک بہتر صورت ہو گی۔ لیکن اس کی بنیاد قومیت نہیں ہونی چاہئے۔ انتظامی سہولت کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی صورت ایک "پیکج ڈیل" کی ہونی چاہئے۔ صرف سندھ کی تقسیم خوفناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ کراچی کے مسئلے کا ایک فوری حل یہ ہے کہ مہاجر نوجوانوں کو کم از کم ۲۵ ہزار ملازمتیں فوراً مہیا کی جائیں۔ وہ نوکریوں پر لگ کر ڈاکے' دہشت گردی اور بھتہ گردی چھوڑ دیں گے۔ بھٹو نے ۱۹۷۳ء میں ایسا ہی کیا تھا۔ جب مہاجروں نے تحریک شروع کی تو بھٹو نے تحریک میں پیش پیش نوجوانوں کو ملازمتوں پر فائز کر دیا جس سے وہ نوجوان بھی کام پر لگ گئے اور فسادات کا اندیشہ بھی ختم ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ سندھ میں ۹۹ فیصد افسران کو ریٹائرمنٹ کے بعد کنٹریکٹ پر دوبارہ رکھ لیا جاتا ہے' ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ کنٹریکٹ پر ملازمتوں کا طریقہ ختم کر دیا جائے تاکہ ان ملازمتوں پر نئے لوگ سامنے

آئیں۔ مہاجروں کو بھی سرکاری ملازمتوں میں حصہ مل سکے۔

تیسرے سندھ پبلک سروس کمیشن کی غیر جانبداری کو بحال کیا جائے۔ پہلے یہ گورنر سندھ کی نگرانی میں ہوتا تھا تو غیر جانبدار تھا۔ بعد میں سندھ اسمبلی نے ایک بل کے ذریعے اسے وزیر اعلیٰ کے سپرد کر دیا۔ اس وقت کے گورنر سندھ فخر الدین جی ابراہیم نے یہ مسودۂ قانون منظور کرنے کے بجائے واپس اسمبلی کو نظر ثانی کے لئے بھیج دیا۔ اسمبلی نے ضد میں آکر اسے ۲۵ منٹ میں دوبارہ منظور کر دیا۔ پنجاب میں بھی ایسا ہوا۔ ضروری ہے کہ سندھ پبلک سروس کمیشن کو دوبارہ گورنر سندھ کی نگرانی میں دیا جائے اور اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت کو بحال کیا جائے۔ شرمناک امر یہ ہے کہ ان چھ میں سے بھی دو ممبران موجود ہیں بقیہ چار عرصہ دراز سے نامزد نہیں کئے جا سکے۔

فنی و تعلیمی اداروں میں میرٹ پر داخلے کئے جائیں۔ عبداللہ شاہ کی نئی پالیسی کے تحت شہری طالب علموں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے جن کی اکثریت اردو بولنے والے مہاجروں کی ہے۔ سندھ سیکرٹریٹ کے لئے اردو بولنے والوں کا کوٹہ مقرر کیا جائے۔ مردم شماری فوری اور شکوک سے بالاتر کرائی جائے۔ بلدیاتی انتخابات فوراً کرائے جائیں تاکہ شہریوں کو عوامی اداروں میں اپنی نمائندگی کا احساس ہو۔ جب تک بلدیاتی انتخابات نہیں ہوتے تب تک بلدیاتی اداروں میں اردو بولنے والے افسران کو مقرر کیا جائے' سیاسی لوگوں کو مقرر نہ کیا جائے۔ عہد کے مطابق محصورین بنگلہ دیش کو واپس لا کر پنجاب میں بسایا جائے۔ بے گناہ افراد کو رہا کیا جائے اور ہر ضلع اور صوبے کی سطح پر جوڈیشیل انکوائری کمیشن بنایا جائے جو گرفتار شدگان کے خلاف مقدمات کا جائزہ لے۔ حزب اختلاف کی قومی جماعتیں اگر عوام کے مسائل حل کرنے میں قدم آگے بڑھائیں تو ان شاء اللہ حالات بہت جلد بہتر ہو جائیں گے۔

اب باری ریٹائرڈ جنرل حمید گل کی تھی جو راولپنڈی سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں اس وقت کراچی کا مسئلہ کشمیر کے مسئلہ سے کم اہم نہیں ہے۔ پوری قوم متحد ہو کر اس پر سوچے۔ یہ مسئلہ مکالمے کے ذریعے ہی حل ہو سکتا ہے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ایوان میں بیٹھے ہوئے ہمارے نمائندے اس مسئلے کو کیوں حل نہیں کر رہے؟ کراچی "منی پاکستان" ہے۔ اس میں صرف سندھی اور مہاجر ہی نہیں بستے' یہاں سولہ لاکھ پٹھان اور ۲۵ لاکھ پنجابی بھی بستے ہیں۔ یہ صرف مہاجروں کا مسئلہ نہیں پورے پاکستان کا مسئلہ ہے۔

کراچی کے حالات کی خرابی میں کچھ اندرونی اور کچھ بیرونی عوامل شامل ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت تمام صوبوں نے اردو کو قومی اور صوبائی زبان بنایا۔ صرف سندھ میں اردو کے بجائے سندھی کو صوبائی زبان قرار دیا گیا۔ کوٹہ سسٹم سندھیوں کی ضرورت ہے۔ اسی لئے دس سال اور مزید دس سال تک بڑھا دیا گیا۔

کراچی کے مسئلے کا سب سے اہم پہلو اور وجہ قومیت کا احساس ہے۔ میں خود ایک پٹھان ہوں' لیکن پنجاب میں رہتا ہوں اور میری گھریلو زبان اردو ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران ہمارے گھر میں یہ فیصلہ ہوا کہ اب گھریلو زبان اردو ہو گی اور ہم آج تک اس پر کاربند ہیں۔ میں نے کبھی پٹھان قومیت کا احساس نہیں

کیا بلکہ خود کو پاکستانی ہی سمجھا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور مسئلہ دیہی و شہری سندھ میں تعلیم اور ملازمتوں میں تفاوت ہے۔ اسی لئے لوگ ایم کیو ایم کا ساتھ دے رہے ہیں۔ میرے خیال میں تو قومیت فی زمانہ ختم ہو چکی ہے۔ اب مسلم معاشرے پوری دنیا میں باہم یگانگت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ عرب یونین ختم ہو چکی ہے۔ فلسطین میں حماس والے فلسطینی نہیں اسلامک پین ازم کی بات کرتے ہیں۔ نسل پرستی اور قوم پرستی کی وجہ سے روس ختم ہو گیا۔ چیکوسلواکیہ اور یوگوسلاویہ سیکولر معاشروں کی وجہ سے خانہ جنگی میں مبتلا ہوئے۔ اس کے برعکس مسلم معاشرے باہم قریب ہیں۔ ان پر بیرونی دباؤ بھی اس قربت کی ایک بڑی وجہ ہے۔ کراچی کا مسئلہ انتظامی مسئلہ ہے' اس میں خواہ مخواہ نسلی امتیازات پیدا کر دیئے گئے ہیں اور یہ جو کہا جا رہا ہے کہ کراچی علیحدہ ہو جائے گا تو ایسا فوری خطرہ بھی کوئی نہیں۔

تو یہ تھے اندرونی عوامل۔ اس مسئلے کے بیرونی عوامل بھی ہیں۔ بیرونی عوامل کے لئے کراچی کی فساد زدہ فضا تیار زمین کے برابر ہے جس میں کوئی بھی بیج ڈال دے۔ اس کے لئے زمین ہم نے ہموار کر دی ہے۔ اندیشہ ہے بیج بیرونی عناصر ڈال دیں گے۔ ہم نے شہری اور دیہی سندھ میں ناہمواری پیدا کی۔ مسائل' حقائق کی روشنی میں حل نہیں ہوتے' احساس کرنے سے حل ہوتے ہیں۔ پاکستان سے متعلق باہر کا ایجنڈا کچھ اس طرح ہے :

(۱) نیو کلیئر پروگرام ختم کیا جائے۔ نیو کلیئر پاور کو حملے (Attack) کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا چنانچہ پاکستان کی فوجی قوت کو کمزور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حال ہی میں پیش کئے گئے بجٹ میں ۱۶۰/ ارب روپے قرضوں اور سود کی ادائیگی اور ۱۲/ ارب روپے دفاع کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ اس طرح ان دو مدات پر ۲۸۱/ ارب روپے خرچ ہوں گے جبکہ مجموعی آمدنی کا تخمینہ ۲۶۰/ ارب روپے ہے۔ گویا ان درآمدات پر خرچ سے ہی ہمیں ۲۱/ ارب روپے کا نقصان ہو گا۔ اگر یہی کیفیت رہی تو آہستہ آہستہ فوج ختم ہو جائے گی۔ جاپان' پاکستان کو قرضہ دینے والا سب سے بڑا ملک ہے جس نے اپنے قرضوں کو دفاعی اخراجات میں کمی سے مشروط کر دیا ہے۔ ان حالات میں کراچی ہماری معیشت کا ہی نہیں دفاع کا بھی مسئلہ ہے۔ یہ کشمیر کا معاملہ بھی ہے کہ کشمیر سے ہماری اور دنیا کی توجہ ہٹ گئی ہے۔ کشمیر کی جدوجہد کو جو آخری مراحل میں ہے کراچی کی وجہ سے بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

(۲) ڈی اسلامائزیشن (De-Islamisation) : آئین میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق آپ نظام میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ نظریہ پہلے وجود میں آتا ہے' ریاست بعد میں۔ پاکستان کا نظریہ پہلے وجود میں آیا' پاکستان کی ریاست بعد میں بنی۔ ہم نے وہ مقاصد

حاصل نہیں کئے جن کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ پاکستان بجائے خود مقصد نہیں تھا' مقصد کی طرف پہلا زینہ تھا۔ محترم ندوی صاحب نے جو پیکج دیا ہے میں اس کی بعض شقوں سے اختلاف کرتا ہوں۔ اپنے آئین کو نہ بدلئے' اس کے لئے آئین کو توڑنا پڑے گا اور آج آپ اس حالت میں نہیں کہ نیا آئین بنا سکیں یا اس میں زیادہ ردوبدل کر سکیں۔ بیرونی عناصر کی کوشش ہے کہ ان کا (ہمارا) آئین ختم ہو اور وہ اپنی مرضی کے مطابق آئین بنوا سکیں۔

(۳) بیرونی عناصر کی کوشش ہے کہ سنٹرل ایشیا کی آزاد ریاستوں کا رابطہ جنوب میں ہمارے ساتھ نہ ہو سکے۔ جنوب میں تین بندرگاہیں نہایت اہم ہیں۔ کراچی' بندر عباس اور استنبول۔ ان عناصر نے تینوں کا حال خراب کر دیا ہے۔ استنبول کو معاشی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ بندر عباس ٹیررسٹ کارروائیوں کی وجہ سے خراب ہوا اور کراچی میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔

اگر اس مسئلے کا حل ایک علیحدہ صوبے کا قیام ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے۔ پاکستان کوئی کلاسک (Classic) وفاق نہیں۔ پاکستان پہلے معرض وجود میں آیا اور صوبے بعد میں بنے' لہٰذا صوبے پاکستان کے مرہون منت ہیں' پاکستان صوبوں کا مرہون منت نہیں۔ انتظامی لحاظ سے صوبوں کی تقسیم جائز ہے لیکن لسانی قومیت پر اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

اس مسئلے کا واحد حل سیاسی حل ہے۔ آپ نے کراچی میں ڈنڈا چلا کر دیکھ لیا جو ناکام رہا۔ فوج اگرچہ بے اختیار رہی لیکن بہرحال موجود تو رہی۔ ۲۴۵ کے اختیارات میں بنیادی انسانی حقوق معطل ہو جاتے ہیں۔ اگر فوج کراچی میں مصروف رہی تو بیرونی سرحدوں پر ہماری پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔ بھارت کشمیر کی طرف بڑھے گا جو بہرحال باعث تشویش ہے۔

مسئلے کا حل مکالمہ ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ مکالمہ کس کے ساتھ کیا جائے؟ مہاجروں کے ساتھ' کراچی والوں کے ساتھ یا کسی اور سے؟ اگر آپ الطاف حسین کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ پہلے اس نے جی ایم سید کے پلیٹ فارم سے پنجابیوں کو گالیاں تک دیں' پھر پٹھانوں کے خلاف باتیں کرنے لگا' پھر سندھیوں کے خلاف اور اب حکومت اور فوج کے خلاف بیانات دے رہا ہے۔

اگر کراچی کا مسئلہ وسیع ہو گیا تو قومیتوں کی جنگ شروع ہو جائے گی۔ الطاف حسین کئی بار یہ ثابت کر چکا ہے کہ وہ کراچی کی مہاجر آبادی کا نمائندہ ہے۔ مسئلے کے حل کے لئے اسی سے بات کرنا ہو گی۔ الطاف حسین کو کچھ رعایت دینی ہو گی اور اس کے ساتھ ہمیں حکومت کو بھی رعایت دینی ہو گی۔ حکومت پر دباؤ پڑ رہا ہے تو الطاف حسین پر بھی دباؤ ڈالنا ہو گا۔ جنگ لڑنے کے بعد بھی بات کرنی پڑتی ہے جیسے ہم کشمیر پر

بھارت سے بات چیت کر رہے ہیں۔ صلح حدیبیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ مسئلہ یہ بھی ہے کہ عوامی نمائندے اسمبلیوں میں بیٹھے عوام کے مسائل کیوں حل نہیں کر رہے؟ عوامی مسائل گلیوں میں کیوں حل ہوتے ہیں؟ ہمارا فرض ہے کہ سندھیوں کو بتائیں کہ مسئلہ کراچی کی سنگینی سے ان ہی کا نقصان ہو گا۔ لہٰذا اپنے لوگوں کو مجبور کرو کہ وہ اس کے حل کے لئے بات چیت کریں' انتظام کریں۔ یہ مسئلہ حزب اقتدار و اختلاف کا نہیں پورے ملک کا مسئلہ ہے۔ قومیت بن کر نہیں قوم بن کر سوچیں۔ جب بھی مکالمہ شروع ہو گا تو دہشت گردوں اور عوام میں امتیاز ہو جائے گا۔ اب میں مسئلے کے حل کے لئے چار نکات پر مشتمل ایک پیکج پیش کرتا ہوں۔

(۱) کراچی میں سیز فائر کیا جائے۔

(۲) مکالمہ شروع کیا جائے۔

(۳) بلدیاتی انتخابات کا انتظام فوراً نہیں ہو سکتا۔ نوجوانوں کے بجائے معاملات ہوش مندوں کے سپرد کئے جائیں۔

(۴) ان حلقوں میں دوبارہ الیکشن کروائے جائیں جہاں سے ایم کیو ایم نے بائیکاٹ کیا تھا۔ وہاں سے ۸۰۰ ووٹ لینے والا رکن اسمبلی بن گیا ہے۔ آٹھ سو ووٹ کوئی مینڈیٹ تو نہیں ہے۔ اگر حکومت ایسا نہ چاہے تو وہاں کے منتخب ارکان اسمبلی کو خود یہ پیشکش کرنی چاہئے۔

ریٹائرڈ جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ مسئلہ کراچی کا مجموعی جائزہ تو ہو چکا' میں اس مسئلے کے قانونی پہلوؤں پر کچھ روشنی ڈالوں گا۔ جو تجاویز یہاں بیان کی گئی ہیں ان پر عمل ہونا چاہئے۔ فوری ضرورت اس وقت اسی بات کی ہے۔ یہ طے ہے کہ اس کا حل مکالمہ ہی ہے۔ فوج' پولیس یا رینجرز کوئی حل نہیں۔ مکالمے کی بات پر حکومت کا موقف ہے کہ ہم دہشت گردوں سے بات نہیں کریں گے۔ اگر اس پر نظر رکھیں تو مکالمہ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں ایک عدالتی کمیشن بنایا جائے جو ایم کیو ایم کے خلاف مقدمات کا جائزہ لے۔ الطاف حسین کو سزا ہو چکی ہے' انہیں جیل جانا پڑے گا اور اپیل تک وہ رہا نہیں ہو سکتے' لہٰذا حکومت سے بات چیت میں وہ شامل نہیں ہو سکیں گے۔ میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ الطاف حسین کو ضمانت پر رہا کیا جائے تاکہ وہ آزادانہ مکالمہ کر سکے۔ وزیر داخلہ کا بیان ہے کہ ہم ایم کیو ایم کے خلاف مقدمات میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ اس پر سینیٹر اشتیاق اظہر نے کہا کہ ایم کیو ایم کے تمام لوگ جیل چلے جائیں گے تو یہ مذاکرات اور مکالمہ کس سے کریں گے؟ اب ٹیلی ویژن پر لوگ پیش ہو کر نئے قصے سنا رہے ہیں۔ پھر ادھر سے صفائی پیش ہوتی ہے۔ ان حالات میں مکالمے کے سوا مسئلے کا کوئی حل نہیں۔

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مودودی صاحب کی شہرت کیوں کر بڑھی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں وہ پیش پیش تھے۔ گرفتار ہوئے اور انہیں سزائے موت ہوئی ملٹری کورٹ سے۔ بعد میں حکومت نے خود

ہی یہ فیصلہ کالعدم قرار دے دیا۔ یوں ان کی سزائے موت رک گئی۔ اس کے بعد سید مودودی کی شہرت نڈر اور کھرے انسان کی بن گئی۔ ۱۹۶۳ء میں جماعت اسلامی پر بین لگادیا گیا۔ یہ مقدمہ سپریم کورٹ تک گیا جس نے یہ بین ہٹادیا۔ تب سے جماعت اسلامی کو شہرت نصیب ہوئی اور یہ حکومت مخالف جماعت تصور کی جانے لگی۔ اسی طرح عوامی نیشنل پارٹی نے ۷۲ء میں اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر سرحد میں حکومت بنائی جسے بھٹو نے توڑ دیا اور ۷۵ء میں اس کے خلاف ایک زبردست ریفرنس دائر کیا کہ ولی خاں' غفار خاں' بزنجو' عطاء اللہ مینگل یہ سب وطن کے غدار ہیں۔ لہٰذا اے این پی پر پابندی لگائی جائے۔ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ بحال رکھا۔ تب حیدر آباد میں فوجی ٹریبونل کے روبرو سزاؤں کے لئے انہیں پیش کر دیا۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں ضیاء نے یہ ٹریبونل توڑ دیا۔ عام معافی اور قومی یکجہتی کے لئے ان کے خلاف تمام حکومتی فیصلے ختم کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اس کا مقصد قومی یکجہتی کو فروغ دینا قرار دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ مکالمے پر انحصار محبت' اخوت اور اسلامی روایات کے عین مطابق ہے۔ یہ پرانی کدورتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ولی خاں اور غفار خاں محب وطن ہیں۔ مسائل کے حل کے لئے فراخ دلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسائل کے حل کے لئے حقیقتوں کی نسبت لوگوں کے محسوسات کا ادراک زیادہ ضروری ہے۔

میں تجویز کرتا ہوں کہ آئین کے آرٹیکل ۲۳۴ کے تحت صدر سندھ حکومت کو دو مہینے کے لئے معطل کر دیں اور اختیارات خود سنبھال لیں۔ صوبے میں اپنی مرضی سے گورنر مقرر کریں۔ اگر گورنر شپ کا موقع ندوی صاحب کو دیا جائے اور مکالمہ شروع ہو جائے تو کراچی میں امن ہو سکتا ہے اور بات آگے بڑھے گی۔ گورنر صدر کے احکامات کے تحت کام کرے گا۔

اس کے بعد بزرگ صحافی زیڈ اے سلہری نے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا ۵۰ سال قوموں کی زندگی میں کوئی بہت بڑا عرصہ نہیں ہوتا۔ یہ ملک ہم نے مسلم قومیت کے نام پر حاصل کیا۔ سندھی' پنجابی' بلوچی' پٹھان یا مہاجر قومیت کی بنیاد پر نہیں۔ آپ ۲۰۔۳۰ صوبے بنائیں لیکن قومیت کے نام پر نہیں کیونکہ اس سے مسلم قومیت کی نفی ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۱۹۴۰ء کی قرارداد میں پاکستان کا لفظ ہی نہیں۔ ۱۹۴۳ء کے مسلم لیگ کنونشن میں قائداعظم نے کہا کہ ہم نے پاکستان کا نام نہیں لیا' ہندو پریس نے ہم پر تنقید کے لئے یہ نام استعمال کیا ہے تو ہم اس نام کو قبول کرتے ہیں۔ بھارت کے علاقوں کے مسلمانوں نے تحریک آزادی میں حصہ کیوں لیا؟ انہیں تو یہاں آکر نہیں رہنا تھا۔ صرف اس لئے کہ انہیں مسلم قومیت کا احساس تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارے حکمرانوں نے مسلم قومیت کے اس احساس کی طرف توجہ نہیں دی۔ لیاقت علی خاں اگر قیام پاکستان کے بعد اگلے ہی سال دستور بنا لیتے تو اس میں مسلم قومیت اور تحریک کے دوران مسلمانوں کے جوش و جذبے کا اظہار اور احساس ہوتا۔

آج سیکولر سوشلزم کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۹۷۱ء میں بھٹو نے مشرقی پاکستان کے متعلق ایسا ہی طرز اپنایا جو آج حکومت اپنا رہی ہے۔ میں بھٹو کے ساتھ ڈھاکہ گیا تھا۔ واپس آکر بھٹو صاحب نے کہا میں نے ان کے ساڑھے پانچ پوائنٹ مان لئے ہیں' تو کیا آدھے پوائنٹ پر ملک ٹوٹ گیا؟ ملک آدھے پوائنٹ کی وجہ سے نہیں' نیت کی خرابی کی وجہ سے ٹوٹا کیونکہ بھٹو کو احساس تھا

کہ بنگالیوں کے ہوتے ہوئے میں حکومت نہیں لے سکتا۔ اب بھی یہی حال ہے۔ حکومت ڈائیلاگ (مکالمے) کو مشکل سے مشکل تر بنا رہی ہے۔ الطاف حسین کچھ ہو' آخر ہمارا قومی فرد ہے۔ اس سے بات کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔ حکومت کو یہی ڈر ہے کہ اگر وہ کھل کر سامنے آگیا تو اس کے اقتدار کو دھچکا لگے گا۔ انہوں نے پرجوش انداز میں کہا کہ جو حکومت ملک کو اکٹھا نہیں رکھ سکتی اسے بدل دینا چاہئے۔ حکومت اگر ملک کی حفاظت نہیں کر سکتی تو اس کا فائدہ کیا ہے؟ حکومت کی نیت مکالمے کی نہیں۔ ان کی نیت صاف ہے کہ وہ ملک کو بچانا نہیں چاہتے۔ وہ ایک مرتبہ پھر جذبات میں آگئے اور کہا کہ میرے خیال میں فوراً انتخابات ہونے چاہئیں تاکہ عوام کی رائے معلوم ہو اور عوامی رائے میں بننے والی حکومت ہی حقیقی عوامی حکومت ہوگی۔ مجھے جنرل صاحب سے اتفاق ہے کہ دستور کو نہیں چھیڑنا چاہئے۔ دستور کے تحت نئے انتخابات ضرور کرائے جانے چاہئیں۔

آخری مقرر معروف قانون دان ایس ایم ظفر تھے۔ ازیں قبل میزبان مجلس ڈاکٹر اسرار احمد نے واضح کیا کہ چونکہ ظفر صاحب سے آخر میں تشریف لائے تھے اس لئے ان کے خطاب کی باری بھی سب سے آخر میں آئے گی۔ ایس ایم ظفر نے کہا یہ سیمینار خود کراچی کے مسئلے کا حل بھی بن سکتا ہے۔ جس طرح ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں' وہ کراچی کے عوام کے لئے پیغام ہے کہ ان کے لئے پورا پنجاب فکر مند ہے اور نیک جذبات رکھتا ہے۔ خود وصی صاحب یہاں موجود ہیں اور یقیناً وہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ اہل پنجاب کو اپنے کراچی کے بھائیوں کا کس قدر خیال ہے۔ ہم یہاں کراچی شہر کے مسائل پر بات کرنے نہیں آئے کیونکہ وہ تو لاتعداد ہیں جیسے بجلی' گیس' صفائی' سڑکوں وغیرہ کا مسئلہ' اور نہ ہم یہ مسائل حل کر سکتے ہیں۔ ہم تو کراچی کے اردو بولنے والوں کے مسائل کو حل کرنے کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ عوام کی رائے میں بڑی طاقت ہوتی ہے جس سے حکومت کو عوام کی رائے کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔

کراچی کے مسئلے پر جیسے یہاں اظہار خیال کیا گیا' اس سے اچانک لگا کہ کراچی کا مسئلہ تو بہت معمولی ہے۔ صرف ملازمتوں' سندھ پبلک سروس کمیشن اور بلدیاتی انتخابات وغیرہ کا مسئلہ ہے۔ ندوی صاحب سندھ کے رہنے والے ہیں اور کراچی کے مسائل کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ انہوں نے جن مسائل کی نشاندھی کی ہے وہ نہایت معمولی ہیں لیکن ان کا حل فی زمانہ مشکل ہے۔ اس کی وجہ سیاست کی کساد بازاری ہے۔ شراکت اقتدار میں ایم کیو ایم کے ساتھی ریڈ الرٹ لے کر برطانیہ جا رہے۔ جن کے دور میں فوجی ایکشن ہوا وہ ایم کیو ایم کو لیڈر مان رہے ہیں۔ خیال یہ کیا جا رہا ہے۔ کیا آہستہ آہستہ مشرقی پاکستان جیسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔ میں اس کی تردید کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ معاملات سنجیدہ نہیں۔ اصل میں صورتحال یہ ہے کہ اردو بولنے والوں کا مسئلہ حل نہ ہوا تو مشرقی پاکستان کی صورتحال نہ ہوگی بلکہ ایک ختم نہ ہونے والی خانہ جنگی اور خون ریزی شروع ہو جائے گی۔ لبنان میں پچھلے ۱۵ برس سے خانہ جنگی جاری ہے۔ افغانستان میں مسلم گروپوں نے روس جیسی سپر پاور کو نیست و نابود کر دیا لیکن اب وہاں بھی خانہ جنگی اور خون ریزی کا وسیع سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ میں ندوی صاحب سے اتفاق کرتا ہوں کہ کراچی کا مسئلہ حل نہ ہوا تو زبردست خون ریزی ہوگی۔ قیام پاکستان جیسی خون ریزی نہیں کہ اس وقت تو سال دو سال

تک خون ریزی رہی لیکن یہاں جو خون ریزی ہو گی وہ سالہا سال تک چلے گی۔

میں نے بہت سے مقدمات لڑے ہیں۔ اب قوم کا مقدمہ قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میرا ایک خواب ہے۔ اسے ہی آپ مسئلہ کراچی کا حل بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں یہ خواب پیش کرتا ہوں۔ اسی کو رائے عامہ بنا کر آگے چلئے۔ نصب العین کا حصول دور کی بات ہے' آہستہ آہستہ حاصل ہوتا ہے لیکن کراچی کا مسئلہ فوری حل کا متقاضی ہے جو سوچنا پڑے گا۔ میرے خیال میں اس وقت مسئلہ کراچی کے یہ فریق ہیں۔

(۱) صدر (۲) حکومت۔ (۳) اپوزیشن لیڈر (خصوصاً مسلم لیگ) (۴) ایم کیو ایم۔
(۵) افواج پاکستان۔ (۶) عوام

کچھ کا خیال یہ ہے کہ مسئلے کے حل کے لئے حکومت اور ایم کیو ایم میں مذاکرات ہونے چاہئیں۔ کچھ سمجھتے ہیں کہ پہلے حکومت اور اپوزیشن آپس میں معاملات طے کرے اور پھر مل کر ایم کیو ایم سے مذاکرات کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صدر کی ذمہ داری ہے۔ وہ نواز شریف اور بے نظیر کو اکٹھا بٹھائیں۔ صدر اس معاملے میں سر خرو ہوں ورنہ ہم سمجھیں گے کہ وہ اپنا کردار ادا نہیں کر رہے۔ صدر ناکام ہوں تو کس کا فرض ہے مسئلے کو سلجھانا؟ میں واضح کرتا ہوں۔ آپ بتایئے ۱۹۹۳ء کے انتخابات کیوں ہوئے؟ صدر کو استعفاء دینے کے لئے کس نے مجبور کیا۔ پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت رکھنے اور سپریم کورٹ سے حکومت بحال ہونے کے باجود نواز شریف کو استعفاء دینے پر کس نے مجبور کیا؟ بے نظیر کے لانگ مارچ کو کس نے رکوایا؟ یہ سارے کام فوج نے کئے اور آج جو حکومت برسر اقتدار ہے وہ اسی کی وجہ سے ہے تو اس مسئلے کو حل بھی اسی کو کرنا چاہئے۔ اس موقع پر حاضرین نے تالیوں کی گونج میں اس بات پر صاد کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حاضرین نے تالیاں بجائی تھیں۔ ایک دو صاحبان نے "دل کی آواز" کے نعرے بھی لگائے جس سے واضح ہوتا ہے کہ عوام موجودہ مسائل کے حل کے لئے فوج کے کردار کو اہمیت دے رہے ہیں۔

ایس ایم ظفر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ نواز شریف کو معلوم ہو گا کہ ایم کیو ایم کے خلاف کتنے مقدمات سچ ہیں اور کتنے جھوٹ کیونکہ وہ وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم نہیں تو پھر آئندہ انہیں وزارت کا چانس بھی نہیں مل سکتا۔ اسی طرح بے نظیر کو بھی ایم کیو ایم کے خلاف جھوٹے اور سچے مقدمات کے بارے میں معلوم ہو گا۔ دونوں بیٹھ کر طے کریں کہ ہم الطاف حسین سے مکالمہ کرنے کے لئے کس حد تک جانے کو تیار ہیں اور کس حد تک نہیں۔ میرا خواب ہے کہ دونوں صدر کے کہنے پر صلح کر لیں۔ پھر بیٹھ کر فیصلہ کریں اور ان کے نمائندے الطاف کے نمائندوں سے بات کریں۔ الطاف حسین سے بات کس لئے کی جائے؟ اس لئے کہ عوام اس کے اشارے پر چلتے ہیں۔ وہ کہتا ہے بیٹھ جاؤ تو بیٹھ جاتے ہیں' وہ کہتا ہے چلو تو چلنے لگتے ہیں۔ وہ کہتا ہے ہڑتال کرو تو ہڑتال کر دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ حکومت اور اپوزیشن کے مشترکہ نمائندے کچھ لینے اور کچھ دینے کی بنیاد پر الطاف حسین سے بات کریں گے تو وہ مان جائے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو معاملہ قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ پھر اپوزیشن حکومت کا ساتھ دے۔ یوں دونوں طرح سے قوم کا فائدہ ہو گا۔

۔ صدر اور فوج اپنا فرض ادا نہ کریں' اکٹھا بٹھانے کے باوجود میاں بی بی راضی نہ ہو سکیں اور جس کے

لئے یہ سب کیا جائے وہ بھی نہ مانے تو باقی رہ جاتے ہیں عوام۔ پھر عوامی رائے ترتیب دی جائے۔ عوام ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتے۔ پاکستانی عوام اب شعور سے عاری نہیں۔ عوام فیصلہ کریں گے کہ اگر وہ دونوں (بے نظیر اور نواز شریف) اکٹھے نہیں بیٹھ سکتے اور ہمارے نقطہ نظر کی ترجمانی نہیں کر سکتے تو ہم کسی ایک کی نہیں' پھر دونوں کی مخالفت کریں گے۔ ان حالات میں قوم کو فیصلہ کر لینا چاہئے کہ اگر یہ دونوں نہیں چاہتے یا کرتے تو ہمیں تو وطن بچانا ہے۔ یہ عوام کا فرض ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ پاکستان کے عوام پاکستان کی حفاظت کرنا سیکھ گئے ہیں۔

آخر میں میزبان ڈاکٹر اسرار احمد نے اختتامی کلمات کہے کہ قرآن کی برکت سے اس قرآن آڈیٹوریم میں ہر طرح کے خیالات کا اظہار کیا گیا لیکن کہیں بھی تلخی پیدا نہیں ہوئی۔ میرے پاس ایک تجویز آئی تھی کہ کراچی کے مسئلے پر ایک ریزولیشن پاس کیا جائے۔ میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی سیاسی جلسہ نہیں' سیمینار ہے۔ تمام مقررین کا نقطہ نظر سامنے آگیا ہے جس سے بہت سے سوالات حل ہوئے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے۔ یہی اس کی افادیت ہے کہ ہم نے مسئلہ کراچی کو بھرپور طریقے سے اجاگر کیا ہے۔ اس سیمینار کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ عموماً مقررین اپنی تقریر کے بعد جلسہ گاہ سے چلے جاتے ہیں' لیکن الحمدللہ کہ اس سیمینار کے تمام مقررین اختتام تک موجود رہے بلکہ دیگر مقررین کی گزارشات کو غور سے سنا اور دلچسپی ظاہر کی۔

آخر میں دعا کی گئی اور نماز باجماعت کا اہتمام کیا گیا۔ یوں ساڑھے دس بجے یہ روح پرور اور وقت کے اہم مسئلے پر مجلس مذاکرہ اختتام پذیر ہوئی۔

بقیہ : ذکر الٰہی اور اشغال کی حکمتیں

مقصدِ وجود و حیات سے واقف نہیں ہوتا' اور جانوروں کی طرح بے مقصد زندگی گزارتا ہے۔ اور اگر کوئی مقصد ہوتا ہے تو بس شکمی اور جنسی بھوک کا مٹانا' اور یہ کام چوپائے بھی کرتے ہیں' یوں یہ دونوں گویا ایک ہی تصویر کے دو رخ قرار پاتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہو جاتا ہے جو ذکر اللہ سے غافل رہتے ہیں' جو اللہ کو یاد نہیں رکھتے' جو اللہ کو بھلائے رکھتے ہیں' لہٰذا اپنے مال کے لحاظ سے ایسے لوگوں پر بھی یہ تمثیل صادق آتی ہے کہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

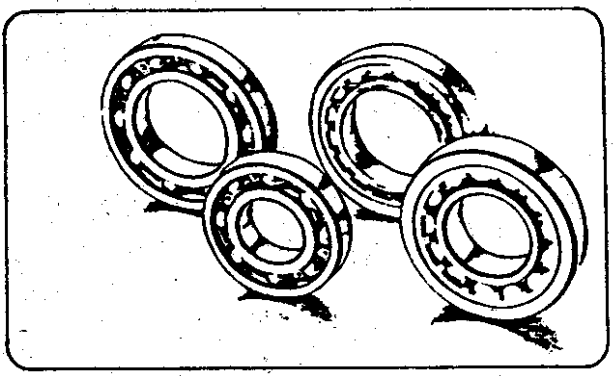

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

مدیر ''ندائے خلافت'' اقتدار احمد مرحوم کی پہلی باقاعدہ تصنیف

جو ان کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری کتاب بھی ثابت ہوئی !

ترکی کے ایک سفر کی تاثراتی روداد

جس میں وہ امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ہمرکاب تھے

زبانِ یارِ من ترکی ...

اسلوبِ نگارش کے اعتبار سے ایک منفرد سفرنامہ

جو قاری کو جابجا دعوتِ فکر بھی دیتا ہے اور اسلام کی عظمتِ پارینہ کے حوالے سے خون کے آنسو بھی رلاتا ہے۔

جس میں دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کی صحیح صحیح منظر نگاری بھی ہے' اور زبان و ادب کی چاشنی بھی!

جس میں حقائق کی نہایت عمدہ لفظی تصویر کشی ہی پر اکتفا نہیں کی گئی' ترکی کے قابلِ دید مقامات کی دیدہ زیب رنگین تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں

جسے بجا طور پر حسنِ معنوی اور حسنِ ظاہری کا دلآویز مرقع قرار دیا جا سکتا ہے

عمدہ کمپیوٹر کتابت' نفیس طباعت' دبیز سفید کاغذ' خوشنما سرورق' مضبوط دیدہ زیب جلد

صفحات ۲۰۰ ' قیمت۔/۱۲۰ روپے

شائع کردہ : مکتبہ وحدتِ ملی' ۴۰۔بی' اردو بازار' فون ۷۲۲۸۸۷۲

نوٹ : رفقاء و احباب کی سہولت کے لئے یہ کتاب پاکستان کے مختلف شہروں میں قائم تقریباً تمام تنظیمی مراکز میں مہیا کر دی گئی ہے۔

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

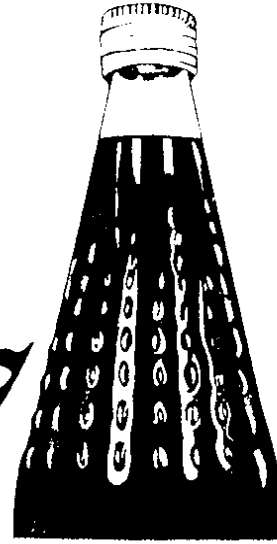

Reg No L. 7360
Vol. 44 No. 8
August 1995

MPL